سجدے میں جھکے، رسیوں سے بندھے قیدی نے اپنا چہرہ اٹھایا اور آنکھیں چندھیا کے راجہ مراد کو دیکھا۔

''ایک دن یہ وقت تم پہ بھی آئے گا' مراد راجہ....ڈرو اس وقت سے....'' وہ غم و غصے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

راجہ مراد نے کمر پہ دونوں ہاتھ باندھ لئے اور گردن جھکا کے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

''تمہاری کوئی آخری خواہش؟''

قیدی نے گہری سانس لی اور قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ پھر گردن کڑائی اور ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے دونوں بیٹوں اور میری بیوی کو....''

راجہ مراد نے ایک دم قریبی سپاہی کے نیام سے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار میں قیدی کی گردن پہ پھیر دی۔

اس کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ گردن سے لکیر کی صورت خون نکلا۔ ساتھ ہی چہرے پہ شاک اور خوف ابھرا۔ پھر لبوں سے خون باہر کو چھلکا۔

گردن سے چند چھینٹے تالیہ کے چہرے پہ گرے۔ اس کی آنکھیں مارے شاک کے پوری کھل گئیں۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

اگلے لمحے....قیدی بیٹھے بیٹھے منہ کے بل زمین پہ گر گیا۔

خاک کا جسم خاک میں جا ملا۔

مراد راجہ نے استعجاب سے ابرو اچکا کے اپنے پیروں میں گٹھری صورت پڑی نعش کو دیکھا۔

''کیا اسے واقعی لگا تھا کہ مجھے اس کی آخری خواہش سننے میں دلچسپی ہے؟''

پھر اس نے اپنے لباس سے رومال کھینچ اتارا اور تلوار پہ شروع سے آخر تک پھیرا۔ رومال نے خون صاف کر دیا۔ تلوار کی چمک لوٹ آئی۔ اس نے تلوار سپاہی کی طرف اچھال دی۔

''اس کی گردن اتار کے چوک میں لٹکا دو اور لوگوں میں منادی کرا دو کہ سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' کہہ کے وہ مڑا۔ ہاتھ پیچھے باندھ لئے اور زینے چڑھنے لگا۔

تالیہ ابھی تک ہکا بکا کھڑی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور گالوں پہ خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ملاکہ کے بازار پہ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ مزدور ابھی تک زیرِ تعمیر حویلی پہ کام میں مصروف تھے۔ بھوکے پیاسے' تھکے ہارے' وہ نڈھال سے ایک ایک شے اٹھا کے مطلوبہ جگہوں پہ فراہم کر رہے تھے۔ فاتح ایک ریڑھی پہ لکڑیاں لادے' زنجیروں کے باعث بدقت اس کو دھکیلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی کا پسینہ بھی پونچھتا۔ پھر دانت پہ دانت جمائے ضبط سے اسے آگے دھکیلنے لگتا۔

دفعتاً کسی نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ذرا چونک کے گھوما۔

سامنے دو پہریدار کھڑے تھے۔ ایک وہی تھا جو صبح کھانا دینے آتا تھا۔ دوسرا کوئی اور تھا۔

''کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کے پوچھا۔

جواب میں پہریدار دونوں ہاتھوں کے اشارے سے اسے کچھ سمجھانے لگا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ آؤں؟'' اشارے سے تصدیق چاہی۔ پہریدار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا۔ چلو۔'' فاتح نے گردن کو جنبش دی اور ریڑھی کو ذرا دھکیل کے ایک طرف کھڑا کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے ریڑھی پہ رکھی لکڑیوں میں سے ایک نوکیلا تیز لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کے مٹھی میں دبا لیا اور پھر ان کے ہمراہ چلنے لگا۔

وہ دونوں اسے واپس احاطے میں لے آئے۔ اس نے سختی سے نوکیلا ٹکڑا مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔ جسم کا رواں رواں الرٹ تھا۔ ابھی کسی نے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ اس کو ان کے اندر اتارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

احاطے کا اندرونی دروازہ کھول کے وہ ایک راہداری میں آگے بڑھتے گئے۔ وان فاتح کے اعصاب تن رہے تھے۔ وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔ مگر رکا نہیں۔ ان کے ساتھ چلتا گیا۔ ایک کے بعد دوسری راہداری۔ یہ حویلی کا اندرونی حصہ تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ دیواروں میں بنے خانوں میں چینی کے خوبصورت برتن سجے تھے۔ چھت سے جلتے ہوئے فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اطراف کا سرسری جائزہ لیتا آگے بڑھتا گیا۔

وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔ مستطیل کمرہ جو بہت وسیع تھا۔ وہ استعجاب سے گردن گھما گھما کے دیکھنے لگا۔ مٹھی میں بھینچے لکڑی کے ٹکڑے پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

وہاں لکڑی کی اونچی لمبی میزیں بچھی تھیں۔ چولہے بنے تھے۔ ٹوکریوں میں سبزیاں رکھی تھیں۔ پکوان چڑھے تھے۔ اشتہا انگیز خوشبو۔ دھواں۔

یہ یقیناً اس حویلی کا باورچی خانہ تھا۔

''یہ ساتھ والا کمرہ تمہارا ہے۔ اور یہ لباس تم آج سے پہن کے کام کرو گے۔'' پہریدار نے ایک تہہ شدہ لباس اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔

لکڑی کا ٹکڑا آہستہ سے پہلو میں گرا دیا۔ اور پھر احتیاط سے لباس تھام لیا۔ باورچی خانے میں موجود تمام لوگ اس طرح کے سرمئی لباس میں ملبوس تھے۔ پاجامہ اور ڈھیلی سی لمبی قمیص۔ وہ سب ہاتھ روک کے اس کو دیکھنے لگے۔

ایک سفید بالوں والا آدمی قریب آیا اور اپنی زبان میں پہریدار سے کچھ پوچھا۔ پہریدار نے جواباً کچھ بتایا اور پھر فاتح کی کلائیوں

کی زنجیر چابی سے کھولنے لگا۔ پھر اس نے اس کے پیر آزاد کیے۔ ان کا کام ختم ہوا۔ وہ فاتح کو اس بوڑھے کے حوالے کر کے چلے گئے۔

بوڑھا اسے اپنے ساتھ ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں حمام تھا۔

بھاپ اڑاتا پانی۔ صاف کپڑے۔ صندل کی خوشبو لئے ٹکیاں۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ باورچی خانے میں داخل ہوا تو اس کے گیلے بال پیچھے کو سمٹ چکے تھے اور سرمئی پاجامے قمیص میں وہ تروتازہ اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ایک پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے اسے تھام لیا تو دیکھا' اندر سوپ تھا جس میں گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے بے اختیار دوسرے کارکنوں کو دیکھا جواب چوکیوں پہ بیٹھے اپنا کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے پیالے اس سے چھوٹے تھے اور ان میں جھلکتا سوپ پتلا تھا اور کم بھی۔

بوڑھے نے اشارہ کیا تو وہ ایک لکڑی کے اسٹول پہ بیٹھا اور پیالہ لبوں سے لگایا۔ لذیذ سوپ اندر تک اتر کے جسم میں توانائی بھرتا گیا۔ گھونٹ بھر کے فاتح نے یونہی کھڑکی کو دیکھا تو عقبی طرف باغیچہ سا نظر آ رہا تھا جس میں دنبے اور بکرے بندھے کھڑے تھے۔ قطار میں بندھے پہلے بکرے کو ایک آدمی جھک کے گھاس کھلا رہا تھا۔

ہری ہری ڈھیر ساری گھاس.... اس آدمی کی پشت فاتح کی طرف تھی۔ بکرا نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پشت پہ ایک تیز دھار ٹوکا بندھا تھا۔ ایسا ٹوکا جس سے بکرے کو با آسانی ذبح کیا جا سکتا تھا۔ وان فاتح نے ایک نظر اس کے آگے ڈالے گئے گھاس پہ ڈالی اور دوسری اپنے پیالے میں تیرتے ابلے گوشت کے ٹکڑوں کو۔

اس کا دل ایک دم کھانے سے بیزار ہونے لگا۔ وہ بے دلی سے پیالہ واپس رکھ دینا چاہتا تھا مگر.... کسی بھی وجہ سے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ رزق اللہ بھیجتا ہے۔ وہ جبراً سوپ پینے لگا۔

☆......☆......☆

محل کے گنبد دھوپ میں پگھل پگھل رہے تھے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث اندر بھی سارے میں روشنی پھیلی تھی مگر تہہ خانے میں جاتی گول گول سیڑھیوں سے نیچے جاؤ تو وہاں بنی جیل اندھیر پڑی تھی۔ دیوار پہ مشعلیں روشن تھیں جن سے اتنا نظر آتا تھا کہ بڑے سے کمرے میں دو اطراف میں کوٹھڑیاں بنی ہیں جن کے سلاخ دار دروازے ہیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ ہے۔

ایسی ہی ایک کوٹھڑی میں بیڑیوں میں بندھا ایڈم موجود تھا۔ زمین پہ اکڑوں بیٹھے' ہاتھوں میں سر گرائے' وہ حیران پریشان سا لگ رہا تھا۔ بار بار پیشانی پہ بل آتے' کبھی آنکھوں میں غصہ در آتا' اور کبھی مضطرب ہو جاتا۔ سارا دن گزر گیا' نہ کچھ کھانے کو ملا نہ کوئی حال پوچھنے آیا۔ باقی دونوں قیدی جو اس کے ساتھ کوٹھڑی میں بند تھے مسلسل آہ و بکا کر رہے تھے۔ اور بار بار اپنا قصور تو وہ بھی پوچھ رہا تھا مگر پہریداروں کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔

اوپر محل کی بارہ دریوں سے گزر کے شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں آؤ تو کھڑکیوں کے ریشمی پردے ہٹے ہوئے تھے اور ڈھلتے سورج کی دم توڑتی روشنی اندر جھانک رہی تھی۔

تالیہ اسی زرتار لباس میں ملبوس' بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ کنیز شریفہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں دائیں سے بائیں گھماتی وہ تالیہ کو ٹہلتے دیکھ رہی تھی۔

''آپ پریشان ہیں' شہزادی!''

''صرف پریشان؟'' وہ رکی اور بگڑ کے اسے دیکھا۔ ''میں بہت زیادہ پریشان ہوں شریفہ۔ میرے سامنے میرے بابا نے ایک شخص کی گردن ماردی۔ (اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا جسے وہ کتنی ہی دفعہ دھو چکی تھی) مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اور مجھے دیکھو... میں بھرے بازار سے تین دکانداروں کو گرفتار کروالائی' اور اب مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ان کے ساتھ کیا کروں۔'' وہ قریباً روہانسی ہوگئی تھی۔

''شہزادی۔ جب بھی کوئی قیدی گرفتار ہو کے آتا ہے تو بنداہارا اس کو سزا سنا دیتے ہیں۔ یا اگر ان کے مزاج اچھے ہوں تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔'' شریفہ محل میں عرصے سے کام کر رہی تھی۔ پانچ دن پہلے آنے والے نئے بنداہارا سے عہدِ وفا کرنے سے پہلے وہ پچھلے بنداہارا کی کنیز بھی رہی تھی۔ ''آپ ان کو معاف کر سکتی ہیں' یا سزا سنا سکتی ہیں۔''

''معاف کرنے سے تو میں کمزور لگوں گی۔ ہرگز نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی اور دونوں ہتھیلیوں سے دائیں بائیں پلنگ کی ریشمی چادر کو بھینچ لیا۔ وہ مضطرب بے چین سی لگتی تھی۔

''ان تینوں نے گستاخی کی تھی اور ان کو اس کی کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔''

شریفہ نے گہری سانس لے کر افسوس سے سر جھٹکا۔ شہزادی کا رہا سہا رعب جو کل تک شریفہ نے محسوس کیا تھا' اس کے بچگانہ رویے کے باعث اب اس کے دل سے جانے لگا تھا۔ سو وہ گردن پوری اٹھائے کھل کے بولنے لگی۔ ''شہزادی آپ اب ایک قدم اٹھا چکی ہیں۔ اب آپ کو شرمندگی سے بچنے کے لئے اس پہ قائم رہنا چاہیے۔''

''شرمندگی؟''

''شہزادی یان سوفو کو جانتی ہیں آپ؟ وہ چینی بادشاہ کی صاحبزادی ہیں۔ چند ماہ قبل وہ سلطان مرسل سے شادی کرنے کے لئے اپنے والد کی رضامندی کے ساتھ ایک بڑے چینی قافلے کے ہمراہ ملاکہ آئی ہیں۔ وہ بوکی چینہ (چینی پہاڑی) والے محل میں قیام پذیر ہیں مگر ان کا اکثر یہاں آنا جانا رہتا ہے۔ یہ چند ماہ ان کی شادی کی تیاریوں میں گزر گئے۔ دو ہفتے بعد ان کی اور سلطان مرسل کی شادی ہے۔ شہزادی یان سوفو نے ان چند ماہ میں اپنے بہت تعلقات بنا لئے ہیں اور وہ سلطان کے فیصلوں پہ اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہی الور

سونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا اور وہ آپ کے والد کی دشمن ہیں۔ان کو خبر مل گئی کہ آپ جذباتی فیصلے کرتی ہیں تو وہ آپ کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گی۔"

"تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟" تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے اور رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"شہزادی!" وہ سبھاؤ سے سمجھانے لگی۔"آپ کو قیدیوں کو سزا دینی ہوگی۔"

"سزا....؟ ہاں یہ ٹھیک ہے۔میں ان کو سخت سے سخت سزاؤں گی۔ان سے بھاری سے بھاری مشقت کروائی جائے گی۔ایسے ٹھیک رہے گا۔"

"بالکل شہزادی۔یہ بہترین رہے گا۔"

تالیہ ایک دم کھڑی ہوئی اور جیسے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے گردن کڑا کے بولی۔

"میں....میں خود اپنے سامنے ان کو سزا سناؤں گی۔مجھے قید خانے میں لے چلو۔"

"جو آپ کا حکم شہزادی۔" شریفہ نے گہری سانس لے کر تالیہ کے چہرے کو دیکھا جو تائی ژیان کی گردن مار دینے کے بعد سے مرجھایا ہوا تھا' اب کھل اٹھا تھا۔

ایڈم سر جھکائے نڈھال پڑا تھا جب اس نے قریب آتے قدموں کی چاپ سنی۔وہ چونک کے سیدھا ہوا۔کونے میں لگی گول سیڑھیوں سے چند افراد نیچے اتر رہے تھے۔ایڈم تیزی سے کھڑا ہوا۔اسے سرخ اور سنہری لباس کی جھلک دکھائی دی تھی۔

نیچے آنے والوں میں سب سے آگے تالیہ تھی۔اس کا لمبا لباس زمین پہ جھاڑو دے رہا تھا اور وہ ہاتھ باہم پھنسائے بہت شان سے چلتی ہوئی سلاخ دار دروازے تک آئی تھی۔سر کا تاج نیم اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

باقی دونوں قیدی بھی شہزادی کے احترام میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔

"اتنا تو بتا دیں کہ آپ نے مجھے کیوں پکڑوایا ہے' شہزادی صاحبہ!" ایڈم سلاخوں کو پکڑے روہانسا ہو کے بولا۔"صبح سے بھوکا پیاسا پڑا ہوں۔کوئی پوچھنے تک نہیں آیا۔اچھا فائدہ ہوا ہمیں آپ کے شہزادی ہونے کا۔"

شہزادی نے اچھنبے سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔" سپاہی نے لاعلمی ظاہر کی۔

ایڈم نے افسوس سے ان دونوں کو دیکھا جو ناسمجھی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے بات کر رہے تھے۔

"آپ کی یہ اداکاری میرے اوپر گراں گزر رہی ہے' چے تالیہ۔آپ سمجھتی کیا ہیں مجھے؟ میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈالے جاتے ہیں کیا؟"

وہ کوفت سے سپاہیوں کی طرف گھومی۔ پھر ایڈم نے دیکھا کہ وہ باری باری تینوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو ہدایات دے رہی تھی۔ زبان انجان تھی۔ مگر جیسے ہی باقی دونوں قیدیوں نے اس کے الفاظ سنے وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے نیچے کو جھک گئے۔ ایڈم ہیجان میں کھڑا رہ گیا۔ وہ آخر کیا حکم دے رہی تھی؟

تالیہ انہی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی سلاخ دار دروازے کے قریب آئی' اور اپنے مرمریں ہاتھ سے ایک سلاخ تھامی۔ پھر قدرے برہمی سے ایڈم کو دیکھ کے اسی انجان زبان میں کچھ بولی جیسے اس کی سرزنش کر رہی ہو اور سنگین نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔

''مجھے کچھ کھانے کو ہی بھجوا دیں' یار۔ وہ پنجرے والے کم از کم کھانا تو اچھا دیتے تھے۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔ تالیہ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور پلٹ گئی۔ اس کی معیت میں سپاہی بھی مڑ گئے اور چند لمحوں میں وہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔

ایڈم سلاخوں کے قریب آیا اور آہستہ سے اپنا جوتا اس شے کے اوپر رکھا جو تالیہ کے ہاتھوں سے پھسل کے نیچے جا گری تھی۔ وہ چند لمحے دم سادھے وہاں کھڑا رہا پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ دوسرے قیدی نڈھال سے واپس بیٹھ گئے ہیں اور پہریدار اس طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ دھیرے سے وہیں بیٹھتا گیا اور پھر آہستہ سے وہ شے اٹھائی۔

وہ ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

ایڈم نے اسے کھولا اور مشعل کی پھڑ پھڑاتی روشنی میں غور سے پڑھا۔ اس پہ انگریزی میں لکھا تھا۔

''مجھے پلان بنانے آتے ہیں' ایڈم مگر تمہیں صرف کتابیں پڑھنا آتی ہیں۔''

ایڈم نے پیغام کو مٹھی میں دبا لیا اور بے چینی سے پہلو بدلا۔

(چے تالیہ کے ہر پلان میں مجھ پہ طنز کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟)

☆......☆......☆

شام ڈھلتے ہی محل کی بیرونی دیوار پہ لگی قندیلیں روشن ہونے لگیں تو سارا محل دور سے جگمگاتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

محل کے اندر بہت سے چوکور باغ تھے۔ ایسے ہی ایک باغ کے وسط میں تالاب بنا تھا جس کے اندر سنگِ مرمر کا نیلاہٹ مائل فرش بچھا تھا۔ دیواروں پہ جگمگاتی مشعلوں کے باعث تالاب کا پانی جھلملاتا دکھائی دیتا تھا۔

تالاب کے زینوں پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے' آنکھیں بند کیے وہ مغموم سی بیٹھی نظر آتی تھی۔ یا شاید بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔

برآمدے سے شریفہ طشتری اٹھائے گزر رہی تھی۔ تالیہ کو بے خبر پا کے اس نے رفتار تیز کر دی۔

محل کے اندر دیواروں پہ جا بجا قندیلیں اور لالٹین لگے تھے۔ کہیں موم بتیوں کے اسٹینڈ تھے۔ چھتوں سے روشن فانوس لٹک رہے تھے۔ یہ زرد روشنی ماحول کو مزید پر فسوں اور خوابناک بنا رہی تھی۔

شریفہ تیزی سے اوپر آئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا۔ پہریداروں کو وہ پہلے ہی بھیج چکی تھی۔

دروازہ بھیڑ کے وہ اندر آئی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔اس میں بڑے بڑے دراز بنے تھے۔وہ ایک ایک کو کھولنے لگی۔شام میں اس نے دیکھا تھا کہ تالیہ نے اس کے آتے ہی کوئی شے جلدی سے گاؤ تکیے کے پیچھے چھپائی تھی۔وہ کوئی ریشمی گلابی رومال میں بندھی شے تھی جو شریفہ کے ذہن میں کھٹک گئی تھی۔

آخر شہزادی کا راز کیا تھا؟

اس نے بستر کے ساتھ رکھا صندوق کھولا اور چیزیں اوپر تلے کیں۔کونے میں وہ اسے نظر آ ہی گیا۔گلابی ریشم میں لپٹا ہوا کوئی بنڈل ہو جیسے۔شریفہ مسکرائی اور اسے نکال کے چہرے کے سامنے لائی۔

یکدم کمرے میں جلتی قندیل بجھ گئی۔ایک دم سارے میں اندھیرا چھا گیا۔شریفہ چونک کے گھومی۔

کھڑکی کے پٹ اچانک سے کھل گئے تھے اور تیز ہوا کے باعث پردے اڑتے جا رہے تھے۔آسمان پہ بادل گرج رہے تھے۔وقفے وقفے سے بجلی بھی چمکتی۔ہوا نے ہی قندیل بجھائی تھی۔

شریفہ قندیل آگے بڑھی، مگر اسی پل بجلی چمکی تو سامنے کوئی ہیولہ سا نظر آیا۔وہ بالکل ساکت رہ گئی۔اندھیرا دوبارہ چھا گیا۔

کنیز ریشمی رومال میں لپٹی شے سینے سے لگائے ایک قدم پیچھے ہٹی۔دل زور سے دھڑکا۔

''کل رات کیا ہوا تھا شریفہ؟'' بجلی دوبارہ چمکی تو پل بھر کو کمرہ روشن ہوا۔

کھڑکی کے سامنے وہ کھڑی تھی۔اس کے کھلے سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔آنکھیں شریفہ پہ جمی تھیں۔اور آواز....یہ وہ آواز نہیں تھی جس میں وہ دو دن سے اس سے بات کرتی آ رہی تھی۔

یہ تو لگتا تھا جیسے کوئی اور عورت ہے۔

''کل رات تمہیں یاد ہے کیا ہوا تھا شریفہ؟'' نیم اندھیرے میں وہ سرخ لباس کو دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔شریفہ خوف سے پیچھے ہونے لگی۔

''تم رات کے دوسرے پہر کسی کھٹکے سے اٹھی تھیں۔تم نے اپنے کمرے میں کوئی آہٹ سنی تھی۔یاد ہے؟ تم نے ادھر ادھر دیکھا پھر بلی کی آواز آئی تو تم مطمئن ہو گئیں۔'' تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔شریفہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کی کمر دیوار سے ٹکرائی۔

''تم دوبارہ سو گئیں۔پھر تم نے کوئی آہٹ نہیں سنی کیونکہ بلی کوئی آہٹ پیدا ہی نہیں کرتی۔وہ دبے قدموں آتی ہے۔سانس بھی نہیں لیتی۔آہستہ آہستہ....وہ تمہاری موجودگی میں....'' بجلی کڑکی تو کمرہ روشن ہوا اور کھلے بالوں والی حسین شہزادی نظر آئی۔اس کی تیز

نظریں اور وہ آنکھیں....شریفہ کا خون منجمد ہونے لگا۔

''تمہاری موجودگی میں وہ تمہارے سارے سامان کی تلاشی لے لیتی ہے مگر سانس لینے کی آواز بھی نہیں نکالتی۔اور اسی خاموشی سے واپس چلی جاتی ہے۔مگر اس شے کے ساتھ۔''

''شہزادی' میں آپ کے کمرے میں صرف صفائی کے لئے .....''اس نے کہنا چاہا' مگر پھر تالیہ کے الفاظ پہ چونکی۔کرنٹ کھا کے اپنے ہاتھوں میں موجود شے کو دیکھا۔''جی؟''

''اسے کھول کے تو دیکھو کہ یہ کیا ہے؟''

باہر وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔بارش کی بوندیں تڑ تڑ برسنے لگی تھیں۔ایسے میں شہزادی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی قندیل کے پاس رکی اور سلائی لگا کے اسے آنچ دکھائی۔شعلہ سا بھڑکا اور سارا کمرہ روشن ہو گیا۔

شریفہ نے تیزی سے رومال اتارا۔اندر چند کاغذ سیدھے رکھے تھے۔وہ دراصل کاغذات کا ایک بنڈل تھا۔

شہزادی آگے بڑھی اور کھڑکی بند کردی۔پھر پردے جھٹکے سے برابر کیے۔ہوا کا راستہ رک گیا۔بارش کی تڑتڑاہٹ ختم ہوگئی۔اب صرف زرد روشن کمرہ تھا اور شریفہ جوان کاغذوں کو کھول کے دیکھ رہی تھی۔پہلے صفحے پہ نگاہ دوڑائی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے تالیہ کو دیکھا جو گردن اٹھائے' شان سے مسکرا رہی تھی۔

''یہ تمہارے خطوط ہیں۔جو تمہارے نام لکھے ہیں کسی نے۔بھلا کس نے؟''شہزادی نے لمحے بھر کو سوچا۔''سابق بنداہارا کی فوج کے جرنیل بھوپالن نے۔وہ پہلے اسی محل میں رہتا تھا۔تم سے محبت بھی کرتا تھا' مگر اب وہ تمہیں خط لکھ کے مراد راجہ کی فوج اور اس کے رازوں کے بارے میں سوال کرتا رہتا ہے۔وہ مفرور ہے اور میرے باپا کے آدمی اس کی تلاش میں ساری سلطنت میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں لیکن اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہے۔کیا ان کو معلوم ہے کہ وہ تم سے رابطے میں ہے؟''

خطوط شریفہ کے ہاتھ سے پھسل گئے۔وہ ایک دم دوڑتی ہوئی آئی اور تالیہ بنتِ مراد کے قدموں میں گر گئی۔''شہزادی میری جان لے لیجئے' مگر خدارا میرا یقین کریں۔میں نے اس کو کبھی کوئی راز نہیں بتایا۔''

تالیہ تیزی سے جھکی اور جھٹکے سے اسے کندھے سے دبوچ کر اوپر کھڑا کیا۔

''جان لے لوں گی تمہاری اگر تم دوبارہ میرے قدموں میں گریں۔میرے سامنے ایک انسان کی طرح کھڑے ہو کے بات کیا کرو شریفہ! یوں جانوروں کی طرح قدموں میں نہ گرا کرو!''وہ غصے سے غرائی تو شریفہ ہاتھ باندھے سیدھی کھڑی ہوگئی۔اس کا چہرہ خوف اور گھبراہٹ سے سفید پڑ چکا تھا۔

''شہزادی....میں قسم کھاتی ہوں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں جانتی ہوں....'' تالیہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور گہری سانس بھری۔ ''جو خط تم نے اسے کل لکھا تھا اور ابھی بھیجا نہیں تھا' وہ میں نے پڑھ کے واپس رکھ دیا تھا۔ تم اسے کچھ نہیں بتاتیں۔ میں جانتی ہوں۔ کیونکہ تمہیں محل کا عیش و آرام پسند ہے۔ تم اس سے صرف محبت بھری باتیں کرنا چاہتی ہو مگر وہ صرف تم سے دفاعی حکمت عملی کے رازوں کے بارے میں جاننے کے لئے رابطہ رکھتا ہے۔ البتہ....'' وقفہ دیا....'' کوئی صرف اس کے خط پڑھے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ رازوں کی تجارت دو طرفہ ہے۔''

شریفہ نے گھبرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''خدارا راجہ کو مت بتائیے گا۔ آپ جو کہیں گی میں کروں گی۔ خدا کے لئے شہزادی' مجھے معاف کر دیں۔ بدلے میں آپ مجھ سے جو چاہے کروالیں۔''

تالیہ نے نزاکت سے چہرے پہ آئی سنہری لٹ پیچھے کی۔ ''تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ مگر یہ تم دل سے نہیں کہہ رہیں۔ تم اندر ہی اندر یہ سوچ رہی ہو کہ صبح ہوتے ہی تم یہ خط میرے کمرے سے چرا لو گی اور دوبارہ سے میرے باپ کے ساتھ مل جاؤ گی۔ ہے نا؟''

''شہزادی' میں.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے بے وقوف' میں نہیں دیکھ رہی کہ تم کس کس وقت میرے باپا سے مل کے آتی ہو اور ان کو میری ہر بات کی خبر دیتی ہو؟ چھپ کے کسی کی نقل و حرکت پہ نظر رکھنے کے کام میں تم مجھ سے اچھی نہیں ہو سکتیں۔ تم ابھی تاشہ بنتِ مراد کو جانتی نہیں ہو۔''

شریفہ نے خفت سے آنکھیں جھکا دیں۔ شہزادی آگے بڑھی اور نیچے گرا بنڈل اٹھایا' پھر واپس صندوق تک گئی اور اسے اندر ڈال کے بے نیازی سے ڈھکن گرا دیا۔ پھر اسی شان سے واپس گھومی۔

''یہ خط اب اسی جگہ رہیں گے' اور تم چاہو تو ان کو واپس چرا سکتی ہو' لیکن بات یہ ہے شریفہ کہ تاشہ بنتِ مراد سے کوئی کچھ بھی نہیں چرا سکتا۔ کیونکہ....'' وہ پلنگ تک آئی اور تکیے تلے سے ایک بنڈل نکالا۔ پھر اوپری کاغذ اٹھا کے شریفہ کے سامنے لہرایا۔

''کیونکہ تاشہ صرف شہزادی نہیں ہے۔ وہ ایک ساحرہ بھی ہے' جسے دنیا کا ہر کام آتا ہے۔''

شریفہ نے چہرہ اٹھا کے اس کاغذ کو دیکھا اور جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اس کی آنکھیں حیرت اور الجھن سے پھیلتی گئیں۔

''یہ اس جرنیل کا خط ہے شریفہ' اور اس پہ اس کی مہر بھی لگی ہے اور اس میں وہ تمہاری راجہ مراد کے خلاف مدد پہ تمہارا شکریہ ادا کر رہا ہے۔''

''یہ خط.... یہ خط تو میں نے کبھی نہیں پڑھا۔''

''درست۔ کیونکہ اس نے یہ خط تمہیں کبھی نہیں لکھا۔ یہ خط میں نے لکھا ہے۔ اس کی لکھائی میں۔ اس کی مہر لگا کے۔ چند منٹوں میں میں نے ایک پورا خط لکھ لیا۔ نقول تیار کرنا میرے اوپر بہت آسان ہے' شریفہ۔''

کنیز نے حیرت، الجھن اور خوف سے اسے دیکھا۔ ہاتھ پھر سے جوڑ لئے۔ ”شہزادی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔“

”جس دن یہ خط میرے صندوق سے غائب ہوئے نا، اس دن میں اس طرح کے پچاس نئے خط بنا کے راجہ مراد کو دکھا دوں گی۔ جرنیل کی خفیہ مہر اور لکھائی وہ پہچانتے ہیں اور میں ان خطوط میں وہ، وہ باتیں لکھوں گی کہ راجہ تمہاری گردن ایک لمحے میں اتار دے گا۔“

کہہ کے اس نے جعلی خط زور سے بستر پہ پھینکے۔ شریفہ کو خوف سے جھٹکا سا آیا۔

”میں تاشہ پسونا ہوں اور جو چیز ایک دفعہ دیکھ لوں، وہ مجھے نہیں بھولتی۔ میرے دماغ سے تم ان خطوط کو....“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔ ”کبھی نہیں چرا سکتی۔“

”شہزادی!“ شریفہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کے چہرہ جھکا دیا۔

”میں آج سے آپ کی غلام ہوں۔ راجہ نے مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کا کہا تھا اور میں یہ صرف اس لئے کر رہی تھی کیونکہ میں ان کی غلام تھی مگر آج سے مجھ پہ سب سے پہلا حق آپ کا ہے۔ میں آپ کے لئے وہ سب بھی کروں گی جو میں کسی اور کے لئے نہیں کرتی۔ بس مجھے معاف کر دیجئے شہزادی۔“ وہ دوبارہ جھکنے لگی مگر تالیہ کی تنبیہہ یاد آ گئی۔ سو ہاتھ باندھے کھڑی رہی۔

تالیہ مسہری تک آئی، ایک شان سے لباس پھیلا کے اس پہ بیٹھی، اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ پھر گالوں پہ جھومتی سنہری لٹ دو انگلیوں کے درمیان سے گزارتے ہوئے گویا ہوئی۔

”تم آج سے نہ صرف میری کنیز ہو بلکہ تم اس محل میں میری آنکھیں اور میرے کان ہو گی۔ تم میرا ہر حکم بلا چوں چراں مانو گی۔ تم میرے لئے ہر وہ کام کرو گی جو میں تمہیں کہوں گی۔ اس کے بدلے میں میں تمہیں اچھا مال اور اچھی خوراک دوں گی۔ اور سب سے بڑھ کے میں تمہیں عزت دوں گی۔ میں تمہیں اپنے پیروں کو چاٹنے سے بچاؤں گی۔ میں تمہیں ایک انسان کی طرح رکھوں گی۔ لیکن جس دن تم نے مجھ سے غداری کی، اس روز.... میں.... تمہاری.... جان لے لوں گی۔“ آخری الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔ اس کی آنکھیں شریفہ کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ وہ فوراً سے بولی۔

”آپ مجھے ہمیشہ وفادار پائیں گی شہزادی۔ میں نے محل سے کوئی غداری نہیں کی، نہ کروں گی۔ آپ حکم دیجئے، میں آپ کے لئے کیا کروں؟“

”ہوں۔“ تالیہ نے ایک انگلی اپنے کان کے آویزے پہ پھیرتے ہوئے سوچتی نظروں سے شریفہ کو دیکھا۔

”آج جب ہم بازار گئے تھے تو وہاں ایک عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ وہ اور اس کے سامنے والی حویلی کس کی ہے؟“

”وہ؟“ شریفہ نے جلدی جلدی ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے اور بتانے لگی۔ وہ دونوں حویلیاں ابوالخیر کی ہیں۔ وہ ملاکہ کا سب سے بڑا تاجر ہے۔ بہت مال، بیٹوں اور غلاموں والا۔“

''ہوں....کس چیز کا تاجر ہے وہ؟''

''مچھلی' گوشت اور مصالحوں کا۔ وہ ہندوستانی تاجروں سے سخت خار کھاتا ہے اور ان کے مصالحے چرا لیتا ہے یا خراب کروا دیتا ہے' اور اپنے مصالحے مہنگے دام بیچتا ہے۔ وہ رئیس ہے اور اس کے ہاں سلاطین' وزراء اور امراء کا روز کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ راجہ مراد کا خاص دوست ہے وہ۔''

''اور وہ لوگ جو عمارت تعمیر کر رہے تھے' وہ کون تھے۔''

''وہ اس کے غلام ہیں۔ عام لوگوں کی طرح وہ منڈی سے غلام نہیں خریدتا بلکہ لوگوں کو اغوا کر کے زبردستی غلام بنا لیتا ہے۔ پھر ان سے مفت میں کام کرواتا ہے۔ برسوں سے لوگ اس کے پاس یونہی قید ہیں مگر اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ ہر بنداہارا کا دوست جو ہوتا ہے۔''

''تو کیا سارے غلام ہمیشہ اس کے پاس قید رہتے ہیں؟''

''نہیں۔ وہ چند غلاموں کو جو کسی ہنر سے آراستہ ہوں' اور دیکھنے میں تنومند اور مضبوط ہوں' ان کو وہ الگ کر لیتا ہے۔''

تالیہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ ''اچھا۔ اور ان کو وہ اچھی خوراک دیتا ہے نا؟ تاکہ وہ صحت مند لگیں؟''

شریفہ نے سر ہلایا۔

''جی ہاں۔ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے' انہیں سارے ہنر سکھاتا ہے اور انہیں خوب تیار کر کے ہر تھوڑے عرصے بعد نیلامی میں بیچ دیتا ہے۔''

''نیلامی؟'' وہ چونکی۔ ''انسانوں کی نیلامی؟'' اس کا دل ڈوبا۔

''جی شہزادی۔ چین میں بھی تو ہوتی ہوں گی نیلامیاں۔'' اس کا انداز دفاعی مگر مغموم ہو گیا۔ ''بڑے بڑے امراء اور شہزادے ایسی نیلامیوں سے اپنے لئے خاص غلام خریدا کرتے ہیں۔'' وہ رکی۔ ''کیا آپ اس کے پاس سے کسی غلام کو خریدنا چاہتی ہیں؟''

''جو میں چاہتی ہوں وہ میں تمہیں بتا دیتی ہوں' اور ہو سکتا ہے کہ تم وہ نہ کر سکو' لیکن اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ کام تم کو ہی کرنا ہے۔ ہر صورت۔'' اس کے الفاظ سرد تھے اور سنگین بھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

دیوار پہ لگی قندیل ہلکی سی پھڑپھڑا رہی تھی۔ باہر تڑاتڑ بارش برسے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے باورچی خانے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ ان کے اندر فرش پہ بھوسے کے بستر تھے اور دروازوں کی جگہ پردے لہرا رہے تھے۔ ایسے ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر تلے رکھا تھا اور گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔

باہر بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ وقفے وقفے سے بجلی چمکتی اور اوپر لگے روشن دان سے اندر آکے سارا کمرہ روشن کر دیتی۔ روشن دان چند فٹ ہی اونچا تھا۔ اور شیشے کا بنا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔

یکدم پردہ ہلکا سا سرکا اور ننھی سی آریانہ اندر داخل ہوئی۔ کھلے بالوں پہ سفید ہیئر بینڈ لگائے' سفید فراک پہنے وہ آہستہ سے ایک دیوار سے جا لگی اور اداسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ڈیڈ!''

''ہوں۔'' وہ چھت کو تکتے ہوئے بڑبڑایا۔

''آپ دکھی ہیں نا؟ ہونا بھی چاہیے۔ آخر آپ ایک قیدی ہیں۔ وقت کے قیدی۔ اس گندے میلے احاطے میں پھنسے قیدی' جہاں کوئی کبھی بھی آپ کو زخمی کر سکتا ہے۔ مار بھی سکتا ہے۔ جہاں یہ آپ سے جانوروں کی طرح کام کرواتے ہیں۔ آپ کو اب اس زندگی' اور خدا سے مایوس ہو جانا چاہیے۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کو تلخ حقیقت سے روشناس کروا رہی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے میں جب لاء پڑھ رہا تھا تو میں کیا بننا چاہتا تھا؟'' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چڑ سی گئی۔

''آپ کو اپنی قسمت کو کوسنا چاہیے' آپ کو رونا چاہیے۔ آپ کو اچھی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔''

''میں شیف بننا چاہتا تھا۔'' وہ چھت کو دیکھ کے مسکرایا۔ ''مجھے کھانے سے محبت تھی۔ سلاد کے پتوں کا رنگ۔ آگ پہ پیاز بھوننے کی خوشبو.... اسٹیک کے پکنے کی آوازیں۔ مکئی کے دانوں کی ساخت.... مجھے کھانے سے محبت تھی آریانہ۔ اور مجھے کچن کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کے سبزیاں کاٹنے میں جو مزا آتا تھا وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا تھا۔ مگر میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ کچھ نہیں بنا پاتا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے یاد کر کے کہہ رہا تھا۔ چہرے پہ زخم کے نشان ابھی تک نظر آ رہے تھے۔ شیو تازہ کی تھی مگر بلیڈ سے چند خراشیں پڑ گئی تھیں۔

''ڈیڈ.... اس مایوسی اور بددلی کو دیکھیں جو آپ کے اردگرد پھیلی ہے۔ یہ کچرا.... یہ انسانوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنا.... ڈیڈ....'' اس کا 'دماغ' آریانہ کے روپ میں اس کو یاد کروا رہا تھا کہ اسے دنیا کے دوسرے اکثر لوگوں کی طرح صرف برا ہی سوچنا ہے مگر وہ اپنے دل سے کچھ اور کہے جا رہا تھا۔

''شادی کے بعد ویسے ہی عرصہ کھانا بناتی تھی۔ پھر میں سیاست میں آ گیا۔ امریکہ میں جب میں اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑنے نکلا تو میرے ساتھ پی آر کے لوگ ہوتے تھے ہر وقت۔ اور جب میں مشہور ہوتا گیا تو میرا اسٹاف بڑھتا گیا۔ لوگ میری ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں ملائیشیاء واپس آیا تو میرا نام مزید بڑھ گیا۔ پرائیویسی ختم ہو گئی۔ ملازم' کنسلٹنٹ' کیمپین اسٹاف۔ باڈی مین۔ ہر وقت کوئی ساتھ چپکا ہوتا تھا۔ سیاست' ٹی وی شوز' پبلک appearances' میرا ایک بزنس فیس تھا۔ مجھے اپنے امیج کے مطابق کام کرنا تھا۔ میں کرتا رہا۔''

بارش کی بوندیں گرتی رہیں، بجلی چمکتی رہی اور وہ بولتا رہا۔ آریانہ ساتھ ہی کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔

''ہر وقت میڈیا، رپورٹرز، مخالف سیاستدان، میری اپنی پارٹی کے لوگ اور میرا خاندان، میرے فینز میری ہر حرکت کو جج کر رہے ہوتے تھے۔ اور جب میں تنہا ہوتا تو بھی اتنا مصروف ہوتا کہ کچن میں قدم تک نہ رکھ پاتا۔ مگر وہ شوق کبھی ختم نہیں ہوا۔ میں قید تھا۔ مجبوریوں اور کاموں میں۔ مگر اب.... اب میں آزاد ہوں۔''

''آپ قید ہیں، ڈیڈ!'' وہ روہانسی ہوئی۔ ''ہر چیز میں مثبت پہلو دیکھنا چھوڑ دیں، ڈیڈ۔''

''نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ پہلی دفعہ میں آزاد ہوا ہوں، آریانہ۔'' اس نے نظروں کا زاویہ موڑا اور مسکرا کے دیوار سے لگی پریشان اور ڈری ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ ''مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ کوئی میرا اسکینڈل نہیں بنائے گا۔ کوئی مجھے جج نہیں کرے گا۔ میں کبھی اتنا آزاد نہیں ہوا۔ میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھے اس ملک کو نہیں چلانا۔ مجھے کوئی پارٹی نہیں چلانی۔ دیکھو ارد گرد.... یہاں کوئی مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ مجھے کسی کے سامنے اپنا بزنس فیس قائم نہیں رکھنا۔ میں آزاد ہوں۔ اور میں اس باورچی خانے میں کھانا پکا سکتا ہوں۔''

''آپ پھنس چکے ہیں۔ آپ مظلوم ہیں۔ آپ وکٹم ہیں۔ آپ....''

''میں مظلوم نہیں ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے وہ دروازہ پار کیا تھا۔ یہ میری چوائس تھی۔ اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں یہاں خوش ہوں۔ نہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں مشکل وقت میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہیں بیٹھوں گا۔ میں اس سے کچھ سیکھ کے ہی نکلوں گا۔ تمہارے باپ نے آج تک ہمت نہیں ہاری۔ give up نہیں کیا۔ تو اب وہ کیوں ہمت ہارے گا۔ نکل تو میں آؤں گا اس سے۔ مگر مجھے اس قید کو بھی ایک تجربے جیسا سمجھنا ہے جو مجھے کچھ سکھائے۔ مجھے اس سے بہتر انسان بن کے نکلنا ہے۔ زیادہ آزاد۔''

''آپ کو ڈرنا چاہیے کہ یہ جنگلی لوگ آپ کو مار نہ دیں۔''

''مرنا کیا ہوتا ہے آریانہ؟'' اس نے گہری سانس لی اور بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھے دوبارہ سے اوپر دیکھنے لگا۔ ''ایک دنیا سے دوسری میں چلے جانا اور جب آپ ایک نئی دنیا میں چلے جاتے ہو تو پچھلی کے فائدے نقصان بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر مار بھی دیں تو کیا ہو گا؟ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ موت بھی صرف ایک تجربہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں دنیا سے جانے سے پہلے وہاں کتنی اچھائی اور positivity پھیلا کے جاتا ہوں۔ جب انسان کو یہ ایمان آجاتا ہے نا، تو وہ موت سے نہیں ڈرتا۔''

اس نے پھر سے دیوار کو دیکھا تو اب آریانہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اپنے تمام تر واہموں اور خدشات سمیت غائب ہو چکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی مثبت سوچ نے اندر سر اٹھاتے منفی پن کو شکست دے دی تھی۔

گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بارش اب ہلکی ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کا سورج ابھی پوری طرح قدیم ملاکہ پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔ نارنجی لکیریں جامنی آسمان پہ بکھری تھیں جب سپاہی ان تین قیدیوں کو اپنے نرغے میں لئے محل کے سبزہ زار پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے اور وہ جھکے سروں کے ساتھ قطار میں چل رہے تھے۔

ایڈم سب سے پیچھے تھا اور اس کا چہرہ سب سے زیادہ لٹکا ہوا تھا۔

(جب ہم واپس جائیں گے تو اِن شاءاللہ چے تالیہ کے خلاف عدالت میں گواہی دینے اور ان کو جیل بھجوانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔) وہ بار بار زنجیر میں مقید ہاتھ شیو پہ پھیر کے تہیہ کرتا تھا۔

سپاہی ان کو لئے گھوڑوں کے اصطبل تک آ گئے۔ تلوار کی نوک سے ایک سپاہی نے پہلے قیدی کو اصطبل کے اندر دھکیلا۔ وہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا۔ وہاں موجود مستعد کھڑے سپاہی نے کندھے سے پکڑ کے قیدی کا جائزہ لیا' پھر اس کو گھما پھرا کے دیکھا' پھر اس کی زنجیر کھول دی اور اسے کوئی پر مشقت کام سمجھانے لگا۔ قیدی مرے مرے انداز میں سر ہلانے لگا۔ پھر اس نے جھک کے کدال اٹھائی۔ سپاہی اس کو رعب سے ہدایات دیتا ایک طرف لے گیا۔

تو یہ تھی ان کی سزا۔

ہر قیدی کو مشقت کرنی تھی۔ ایڈم بن محمد کا دل مزید بجھ گیا۔

دیگر سپاہی ان دونوں کو لئے آگے بڑھ گئے۔ محل کی عقبی طرف ایک جگہ بہت سے جنگی آلات رکھے تھے اور منہ اندھیرے ہی شاہی غلام ان کو بنانے اور ان کی صفائی پہ جت جاتے تھے۔ بھٹی جل رہی تھی اور لوہے کو اندر دہکایا جا رہا تھا۔ وہاں موجود سپاہیوں نے دوسرے قیدی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور فٹافٹ کام پہ لگا دیا۔

اب وہ ایڈم کو لئے مزید آگے آئے۔ وہ گم صم سا ان کے ساتھ چلتا آیا۔

(چے تالیہ پہ ملائیشیاء کے آئین کے مطابق چوری اور دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ معصوم شہریوں کو اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے اور ان سے مشقت کروانے کا مقدمہ بھی بنتا ہے۔) لب کاٹتے وہ سوچ رہا تھا۔

آسمان کی رنگت ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے لئے محل کی عمارت کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ بہت سے دروازوں پہ پہریدار کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک اونچے اور بھاری لکڑی کے دروازے کے سامنے رکے۔ ایڈم ذرا ٹھٹھک کے آہستہ ہوا۔

وہاں شریفہ اور ایک دوسری کنیز کے ہمراہ....وہ کھڑی تھی۔

تاج سر پہ سجائے' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ سر پہ کپڑا تھا جو تاج سے نکلتا ہوا کمر تک گر رہا تھا۔ نیچے اس نے گہرا نیلا اور

سنہری لباس پہن رکھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے شان سے مسکرائی تھی۔

"میری کیا سزا تجویز کی ہے چے تالیہ آپ نے؟" وہ اسے دیکھتے ہی خفگی سے بولا۔ کسی کو اس کے الفاظ سمجھ میں نہ آئے تھے نہ کسی نے توجہ دی۔ بس پہریداروں نے اس کے ہاتھ کھول دیے۔ اور خود دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ شہزادی کے سامنے کھڑا اپنی سزا کا منتظر تھا۔

"جیسے میں نے آپ سے گیلری میں بدتمیزی نہیں کی تھی' مگر آپ نے وہاں بھی خوب واویلا مچایا تھا' ویسے ہی میں نے آپ سے اب بھی بدتمیزی نہیں کی تھی' لیکن پھر بھی آپ نے مجھے گرفتار کروا دیا اور...." وہ غصے سے بولنے لگا مگر شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے نزاکت سے اشارہ کیا تو پہریداروں نے جھٹ اس دروازے کے پٹ اندر کی طرف دھکیل دیے۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایڈم نے چونک کے دیکھا۔

اندر ایک طویل سا ہال تھا۔ جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں قطار در قطار لکڑی کے ریکس لگے تھے جن پہ ترتیب سے کتابیں سجی تھیں۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"یہ شاہی لائبریری ہے' ایڈم۔" وہ اس کو دیکھ کے مدھم آواز میں بولی۔ (پہریدار اور کنیزیں اس کو اجنبی زبان میں بات کرتے دیکھ کے بھی خاموش رہے۔ جب شہزادی کچھ بول رہی ہو تو وہ گونگے بہرے بن جاتے تھے) "اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس کی تمام کتابوں کو نئی جلدیں عطا کرو گے۔ یعنی جلد بھی بناؤ گے اور اس کو چپکاؤ گے بھی۔ یوں تم ساری کتابیں پڑھ بھی لو گے جو کہ قدیم ملے میں لکھی ہیں۔ ہمارے اسکولز میں کلاسیکل ملے کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ تم نے بھی پڑھی ہوں گی۔ تم ذہین ہو' رسم الخط سے واقف ہو۔ چند دنوں میں الفاظ اور زبان پہ عبور حاصل کر لو گے۔ کرنا بھی چاہیے کیونکہ جب تک تم زبان نہیں سیکھو گے' ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ اس لئے جب تالیہ کہے کہ اس کے پاس پلان ہے تو اس پہ بھروسہ کیا کرو کیونکہ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔" وہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور وہ ہکا بکا سن رہا تھا۔

پھر وہ کنیزوں اور غلاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تمہاری شہزادی کو سات زبانیں آتی ہیں۔ یہ قیدی تامل زبان بولتا ہے اور یہ سمجھتا تھا کہ میں اس کی فضول گوئی نہیں سمجھ سکوں گی۔ ہونہہ۔" غرور سے کہہ کے' لباس پہلوؤں سے اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ کنیزوں اور غلاموں کی گردنیں فخر سے اٹھ سی گئیں اور وہ اس کے پیچھے ہو لئے۔ دوسرے سپاہی ایڈم کو لئے اندر کی جانب بڑھ گئے۔ وہ ابھی تک ادھ کھلے منہ کے ساتھ بار بار گردن موڑ کے شہزادی کو دیکھتا تھا۔

اندر کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ ایک دیوار سے دوسری تک۔ قطار در قطار ریکس۔ علم کے خزانے۔ قدیم کتابیں۔ ان کی خوشبو۔ مدھم جلتی روشنیاں۔ لکھائی کے لئے بنی میزیں۔ ان پہ رکھی سیاہی کی ڈبیاں۔ پرندوں کے پروں والے قلم۔ وہ مسحور سا گول گھوم گھوم کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

سپاہی اب درشتی سے اس کو کام سمجھانے لگا۔ جلد کیسے بنانی ہے' اور کیسے کتاب پہ لگانی ہے۔ ایڈم نے بالآخر گہری سانس لی۔

(چلو....اغوا اور حبس بے جا کی دفعات میں اپنے مقدمے سے نکال دوں گا۔)

اس نے رحم دلی سے تالیہ کے بہت سے گناہ معاف کیے اور سپاہیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی مشقت سب سے دلچسپ تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی پہ وہ رات جب گہری ہونے لگی تو اس کی ساری کھڑکیوں کی روشنیاں دھیرے دھیرے گل ہوتی گئیں۔ ایسے میں باورچی خانے میں ہنوز لالٹین جل رہا تھا۔ سفید مونچھوں والا باورچی آستین چڑھائے' ڈوئی ہاتھ میں پکڑے تندہی سے ایک کم عمر لڑکے کو جھڑک رہا تھا جو سر جھکائے' مٹھیوں سے آٹے نما کوئی شے گوندھ رہا تھا۔ ادھر اس کا ہاتھ درست طریقے سے نہ مڑتا' ادھر باورچی ڈوئی کھینچ کے اس کے کندھے پہ مارتا۔

وان فاتح ٹوکری پہلو پہ اٹھائے باورچی خانے میں داخل ہوا تو مچھلیوں کی بُو بھی ساتھ ہی اندر آئی۔ ٹوکری کٹی ہوئی صاف مچھلیوں سے بھری تھی جسے اس نے میز پہ لا دھرا اور پھر نا گواری سے باورچی کو دیکھا جو اس لڑکے کو کوستے ہوئے ڈانٹ مار کے کام کروا رہا تھا۔ لڑکے کے آنسو بہہ رہے تھے اور شانے سے خون بھی رس رہا تھا۔ فاتح خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا۔

باہر سے کسی نے آواز دی تو باورچی برے منہ بنائے باہر نکل گیا۔ لڑکے نے بھیگا چہرہ اٹھا کے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

''غصے والی شکل کیوں بنا رہے ہو اگر میری مدد نہیں کر سکتے تو؟'' اس کو جیسے آس ٹوٹنے کا دکھ تھا۔ الفاظ نہ سمجھ آئے ہوں' انداز بتاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''مجھے اس پہ نہیں' تم پہ غصہ ہے۔ اگر کوئی تمہیں مار رہا ہے' اور تم اس کا ہاتھ خود نہیں پکڑ سکتے تو کوئی تمہیں اس کے ظلم سے نہیں بچا سکتا۔ جب تک تم اپنے لئے نہیں لڑو گے' کوئی تمہارے لئے نہیں لڑ سکتا۔''

لڑکے کو البتہ سمجھ نہ آئی تھی۔ بس خفگی سے آنسو پونچھتا پھر سے آٹا گوندھنے لگا۔

فاتح اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ رات سیاہ پڑ رہی تھی اور دھیرے دھیرے ساری حویلی نیند کی آغوش میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ وہ البتہ بھوسے کے بستر پہ چت لیٹا کافی دیر بس چھت کو دیکھتا رہا۔ ذہن میں وہ آریانہ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

رات گہری ہوتی گئی۔ دوسرا پہر گزرنے لگا جب ایک دم اسے لگا اوپر روشن دان سے کوئی سانپ گرا ہے۔ وہ کرنٹ کھا کے اٹھا' اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اندھیرے میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔

وہ سانپ نہیں تھا۔ وہ روشن دان سے لٹکی رسی تھی۔ وان فاتح کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

رسی سے اوپر چڑھنا قطعاً مشکل نہ تھا۔ چند منٹ میں وہ روشن دان سے نکل کے اوپر آ گیا جہاں چھت کا شیڈ بنا تھا۔ طویل شیڈ جو

مخروطی تھا اور اوپر عمارت کے مینار تک جاتا تھا۔ رسی وہاں چمنی سے بندھی تھی۔ اور چمنی کے پاس.... وہ آرام دہ سی بیٹھی تھی۔

فاتح احتیاط سے اوپر چڑھتا اس تک آیا۔ پھر گردن گھما کے دیکھا۔ پہریدار بہت نیچے تھے۔ وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تالیہ نے شاہی لباس کی بجائے سادہ کھلا سیاہ پاجامہ اور سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ آلتی پالتی کر کے بیٹھی، وہ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے، بس سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے قریب فاتح نے قدم روکے۔

''شہزادی!'' سر کو خم دیا۔

وہ اٹھی نہیں۔ بس سر کو جنبش دی۔ ''توانکو!''

(جگہ مخروطی تھی۔ ذرا ہلتی تو نیچے پھسل سکتی تھی۔)

فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔

''تم یہاں کیسے آئیں؟''

تالیہ گردن اٹھا کے اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھتی مسکرائی۔

''جو مجھے آتا ہے، وہ میری جان بچا سکتا ہے۔ اور مجھے دو ہی کام آتے ہیں۔ بلی کی طرح دیواریں پھاند کے دوسروں کے گھروں میں داخل ہو جانا، اور کسی بھی آرٹ ورک کی ہو بہو نقالی کر لینا۔ ان کاموں نے مجھے ایک کنیز کی وفاداری خرید دی اور وہ مجھے یہاں تک لے آئی۔''

فاتح احتیاط سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ ''تو کیا تم واقعی شہزادی تاشہ ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''جی ہاں۔ وہ تاشہ جس کا ذکر آپ کتابوں میں پڑھتے تھے، وہ میں ہی ہوں۔ وہ تمام کام جو اس نے کیے تھے، وہ میں اب کروں گی۔ ماضی نہیں بدل سکتا۔ ہم دراصل تاریخ کو بدل نہیں رہے۔ بلکہ ہم اس وقت تاریخ میں موجود ہیں اور ہم تاریخ کو بنا رہے ہیں۔''

''تم نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے؟''

وہ دونوں مخروطی چھت پہ بیٹھے تھے اور ان کو سامنے دور دور تک ملاکہ کا قدیم شہر پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں، توانکو۔'' اس نے فاتح کو دیکھ کے کہا۔ دونوں نے چہرہ ایک دوسرے کی طرف موڑ رکھا تھا۔ ''میں نے صرف شہزادی تاشہ کا نام سنا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے کون سے کارنامے انجام دیے تھے۔''

''میں جانتا ہوں۔ میں نے بنگارایا ملایو پڑھی ہے۔''

تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔

''تو مجھے بتائیے کہ میں یہاں کون سے بڑے کام کرنے جا رہی ہوں۔'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا،

پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ کتاب تمہارے بارے میں لکھی گئی تھی مگر اس میں ان عظیم کاموں کا ذکر بھی ہے جو میں نہیں جانتا تم کر سکتی ہو یا نہیں۔ اس لئے میں تمہیں ان کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ تم اپنی فری وِل کو استعمال کر کے اپنی مرضی سے جو کرنا ہے کرو۔ یا تو وہ کتاب جھوٹی تھی' یا تم واقعی اتنی ہی عظیم ہو جتنا کہ اس میں لکھا تھا...'' اس نے گہری سانس لی۔ ''خیر....ایڈم کو تم اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔''

وہ جو انہماک سے سن رہی تھی' اس کے بات بدل دینے پہ بدمزہ ہوئی۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''ہاں' وہ محل میں پورے عیش و آرام سے رہا ہے۔ درجنوں غلام اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔ چھ سو کتابیں اس کو مطالعے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ تین وقت کا کھانا شاہی باورچی خانے سے آتا ہے اس کا۔ اور کیا چاہیے اس کو۔''

''مطلب تم نے اس کو شاہی لائبریری میں قیدِ بامشقت پہ رکھ دیا ہے۔''

''اب یہ تو اپنی اپنی نظر کی بات ہے' توانکو۔ چونکہ میری نظر مثبت ہے تو میرے خیال میں وہ بڑے آرام سے ہے۔'' مزے سے بولی اور مسکراہٹ دبائی۔ فاتح بھی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

سلطنتِ ملاکہ کا قدیم چاند آسمان پہ تیر رہا تھا اور ایسے میں وہ دونوں اس مخروطی شیڈ پہ بیٹھے اطراف سے بے خبر نظر آتے تھے۔

''تم کیسی ہو؟'' فاتح نے دھیرے سے پوچھا۔

''میرے پاس پلان ہے' توانکو۔ راجہ مراد مجھے چابی نہیں دیں گے' اس لئے میں ایڈم کو زبان سکھا رہی ہوں تاکہ وہ میرے ساتھ رہ سکے۔ آپ کو بھی میں آپ کے مالک سے خرید کے محل میں لے جاؤں گی۔ پھر ہم اس چابی کو مل کے تلاش کریں گے اور....''

''میں پوچھ رہا ہوں ''تم'' کیسی ہو' تالیہ؟'' وہ نرمی سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''میں؟'' وہ گم صم ہوئی۔

''اپنے بابا سے اتنے عرصے بعد ملی ہو۔ اپنے ملک واپس آئی ہو۔ خوش ہو؟''

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ ''یہ میرا ملک نہیں ہے۔ یہ میرے لوگ نہیں ہیں۔ میرا ملک صرف ملائیشیاء ہے۔ 2016ء کا ملائیشیا اور مجھے اس میں واپس جانا ہے۔''

''اور تمہارے بابا؟''

''مجھے ان سے کوئی اپنائیت' کوئی محبت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ میری فیملی صرف داتن ہے۔ اور کوئی نہیں۔'' وہ اداس ہوئی۔ چہرہ موڑ لیا۔ اب وہ دور اندھیرے میں ڈوبے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ تو تم محسوس کر رہی ہو۔ راجہ مراد کیسا محسوس کرتا ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میرا نہیں خیال ان کو مجھ میں کوئی دلچسپی ہے۔ انہوں نے پہلے ہی دن میرے پیچھے ایک کنیز کو لگا دیا۔''

''یا شاید تم فرض کر چکی ہو کہ تمہیں کوئی بھی انسان اپنی فیملی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے تم اپنی اصل فیملی سے مل کے بھی پر امید نہیں ہو۔ تم اپنی عزت نہیں کرتیں' تالیہ۔''

اس نے شا کی نظریں فاتح کی طرف موڑیں۔ ''میں سترہ سال بعد ان سے مل رہی ہوں مگر ان کے انداز میں کوئی محبت' کوئی والہانہ پن نہ تھا۔''

''تم اس سے سترہ سال بعد مل رہی ہو' وہ تمہیں پانچ دن بعد مل رہا ہے۔ پانچ دن صرف تم اس سے دور رہی ہو۔ ظاہر ہے وہ نارمل ہوگا۔''

''کیا آریانہ کو کھونے کے پانچویں دن آپ نارمل تھے؟'' الفاظ تھے کہ کیا.... فاتح ایک دم خاموش ہو گیا۔

''کیا اگر پانچویں دن اس چیئر لفٹ ٹریک پہ آپ جاتے اور وہ آپ کو مل جاتی تو کیا آپ اس سے محبت کا اظہار کرنے میں سرد مہری یا کنجوسی سے کام لیتے۔''

''میرا کیس مختلف ہے۔ میں اکیسویں صدی کا باپ ہوں۔ پہلے زمانے میں لوگ اتنے expressive نہیں تھے۔ باپ عموماً سخت گیر ہوتے تھے۔''

''ہاں!'' اس نے گہری سانس بھر کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہماری دنیا اور اس دنیا میں بہت فرق ہے۔ اور اپنی دنیا میں واپس جانے کے لئے ہمیں راجہ مراد سے لڑنا پڑے گا۔''

''تم اپنے باپ کو اپنا دشمن کیوں سمجھتی ہو؟''

''کیونکہ وہ کوئی ہیرو نہیں ہیں۔ وہ خطرناک ہیں۔ قاتل ہیں۔ ظالم ہیں۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا تھا' ان کی بھلائی کا وعدہ اور پھر انہوں نے اپنا ضمیر بیچ کے اس وعدے کو بھلا دیا اور ایک طاقت ور عہدہ حاصل کر لیا۔ ایسے شخص کو کیا کہتے ہیں' تو انکو؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ ''سیاست دان۔''

وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہ پائی۔ ''میرے بابا.... ایک ظالم' خطرناک....''

''سیاستدان ہیں۔ تمہارے بابا صرف ایک سیاستدان ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ ''سیاستدان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی جنگ' کسی لڑائی' کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تمہیں سوائے ایک چیز کے۔''

''کیا؟''

''The art of Politics''

تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''جو ہماری دنیا کے سیاستدان کرتے ہیں؟ ملک کا پیسہ چور کرنا' لوگوں سے وعدے کر کے ووٹ

لینا' اور پھر ان کو بھلا دینا' طاقت کا غلط استعمال کرنا.... یہ سب چیزیں اس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں فٹ نہیں ہوتیں۔"

"اوہ تالیہ!" وہ پیچھے ہوا اور بازوؤں کا تکیہ بنا کے نیم دراز انداز میں مخروطی شیڈ سے ٹیک لگا لی۔ تالیہ کو گردن موڑ کے اسے دیکھنا پڑا۔ وہ اوپر آسمان پہ نظر آتے تاروں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

"یہ تو برے سیاستدان کرتے ہیں۔ میں تمہیں برا بننے کے لئے نہیں کہہ رہا۔ صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم راجہ مراد سے چابی حاصل کر سکتی ہو اگر تم اس کو اسی کے انداز سے ہینڈل کرو۔"

"اور ان کا انداز جانتے ہیں آپ؟ کل ایک آدمی کی گردن اڑا دی صرف عوام کو پیغام دینے کے لئے کہ ملک میں نیا بنداہارا آ گیا ہے۔"

"ملک میں نئی شہزادی بھی تو آئی ہے۔ کیا شہزادی نے چند لوگ گرفتار کرنے کے علاوہ لوگوں کو کوئی پیغام دیا؟"

"میں طاقت کا اظہار کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتی۔"

"گردنیں مارنا طاقت کے اظہار کا واحد طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ برا ہے' تم اچھی ہو۔ تم اپنے طریقے سے اپنی طاقت کا اظہار کرو۔ طاقت کوئی ہموار زمین نہیں ہوتی۔ یا تو یہ اوپر جا رہی ہوتی ہے یا نیچے۔ تمہیں اس کو بڑھانا ہوگا۔"

"مگر کس طرح؟" وہ الجھن سے بولی۔ پھر چونکی۔ "آپ نے بنگارا یا ملایو پڑھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کچھ ایسا کیا؟ کہ شہزادی تاشہ نے محل میں آتے ہی طاقت کا اظہار کیا تھا؟ کیا کیا تھا میں نے؟" وہ بے چین ہو گئی۔

"کیا تھا نہیں.... کرو گی۔ اب تم جو کرو گی وہ تاریخ بنے گا۔ اور ابھی وہ کتابوں میں بھی لکھا جائے گا۔ وہی جو میں نے پڑھا ہے یا تو وہ سچ ہے' یا جھوٹ۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ تم حقیقت میں کیا کرتی ہو۔ ہو سکتا ہے مورخین نے کتابوں میں سچ نہ لکھا ہو۔"

اس نے بددلی سے ابرو بھینچے۔ "یعنی آپ نہیں چاہتے کہ میں "اپنی" ہی نقل کر لوں۔"

"جو تم سمجھو۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں وہی کروں گی جو مجھے درست لگے گا۔ لیکن مجھے صرف ایک بات بتا دیں۔ شہزادی تاشہ کا انجام کیا ہوا تھا؟ عصرہ کہتی تھیں' اس کا انجام ٹریجک تھا۔ میں نے نہیں پڑھ رکھا۔ آپ نے تو پڑھا ہے نا۔"

وہ چند ثانیے کو اسے دیکھتا رہا' پھر گہری سانس لی۔ "کیا تمہارے بابا کے پاس چابی موجود ہے یا اس کو نئی بنانی پڑے گی؟" وہ بات ٹال گیا تھا۔ تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ مت بتائیں۔ وقت خود ہی سب ظاہر کر دے گا۔" پھر اس کا چہرہ دیکھ کے عجیب سے لہجے میں بولی۔ "آپ کو کسی چیز سے خوف کیوں نہیں آتا؟ کبھی مایوس کیوں نہیں ہوتے آپ؟"

وہ جو گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا تھا' اس بات پہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''میں نے زندگی میں بہت سی جنگیں لڑی ہیں۔ مجھے بھی سیٹ بیک ملتے ہیں مگر میں ایک دن کی بری باتوں کو صرف اس دن تک خود پہ طاری رکھتا ہوں۔ اگلی صبح میں نئی امید اور فریش ذہن کے ساتھ اٹھتا ہوں اور اپنے مقصد پہ فوکس کرتا ہوں۔''

''سب آپ جیسے نہیں بن سکتے۔''

''ظاہر ہے سب میرے جیسے نہیں بن سکتے۔ آسان تھوڑی ہے میرے جیسا بننا۔''

تالیہ اداسی سے مسکرا دی۔ پھر گردن گھما کے نیچے پھیلے احاطے کو دیکھا۔ یہاں سے احاطے کی صرف چار دیواری نظر آتی تھی۔ تبھی وہ پہریداروں کی نظروں سے محفوظ تھے۔

''میں اب چلتی ہوں۔ آپ نیچے اتر جائیں اور آرام کریں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے سہج سہج قدم اٹھاتے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر لباس میں چھپایا بٹوہ نکالا۔ گیلا بٹوہ اب سوکھ چکا تھا اور اس میں وان فاتح کے آئی ڈی کارڈ' کریڈٹ کارڈ' رقم اور پاپ کارن کے ٹکڑے اسی طرح رکھے تھے۔ وہ بٹوہ واپس کرنے آئی تھی مگر نہیں کر سکی۔ نہ جانے کیوں۔

چند ساعتوں بعد محل کے سبزہ زار پہ وہ خاموشی سے شریفہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ دونوں نے چغے پہن رکھے تھے اور ٹوپیاں سروں پہ گرا رکھی تھیں۔ لائبریری کے سامنے وہ رکی اور چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو پہریدار اسے دیکھ کے چونکے۔ پھر ادب سے پیچھے ہٹ گئے۔

اندر فرش پہ کتابیں پھیلائے' چمڑے کو کاٹتا ہوا ایڈم بیٹھا تھا۔ چراغ اور قندیلیں روشن تھیں۔ وہ گال تلے ہاتھ رکھے ایک کتاب کے مطالعے میں منہمک تھا۔ ایک کتاب کی جلد چپکا کے اسے سوکھنے کے لئے سامنے رکھا تھا۔

آہٹ پہ وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ پھر جلدی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

چغے والی شہزادی قریب آ رہی تھی۔ ساتھ کوئی نہ تھا۔

''آپ کو معلوم ہے چے تالیہ.... اسکول میں ہمیں قدیم ملے میں لکھی چند کتابیں پڑھائی گئی تھیں۔ قدیم ملے بھی قدیم انگریزی کی طرح ہے۔'' وہ کتاب ہاتھ میں لئے جوش سے بتانے لگا۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر جوش قابلِ دید تھا۔ ''Chaucer کی کینٹر بری ٹیلز چودھویں صدی میں لکھی گئی تھی اور پہلی نظر میں اس کی انگریزی بالکل سمجھ نہیں آتی مگر غور سے پڑھو تو زبان وہی ہے' صرف تلفظ اور ہجے مختلف ہیں۔ یہ قدیم ملے کی کتابیں میں تھوڑی بہت سمجھ سکتا ہوں کیونکہ صرف الفاظ کے ہجے زیادہ ہیں اور یہ لوگ ان کو مختلف طریقے سے ادا کرتے ہیں ورنہ زبان تقریباً وہی ہے۔''

''تم نے بنگا رایا ملایو پڑھی ہے؟ شہزادی تاشہ کی داستان؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں تو.... کبھی دل ہی نہیں چاہا۔''

”یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ شہزادی تاشہ نے کون کون سے کارنامے سرانجام دیے تھے؟“

”نہیں چے تالیہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔“ پہلے وہ الجھا۔ پھر چونکا۔”اوہ میں سمجھ گیا۔ آپ ہر دفعہ کی طرح اس امتحان میں بھی چیٹنگ کر کے پاس ہونا چاہتی ہیں‘ ہے نا۔ آپ اس کتاب سے آئیڈیاز چرانا چاہتی ہیں۔ صحیح کہتے ہیں‘ چور چوری سے جائے‘ ہیرا پھیری سے نہ جائے۔“

”چور ہیرا پھیری سے جائے یا نہ جائے‘ یہ قیدی ضرور اپنے سر سے جائے گا۔“ دانت جما کے سرد لہجے میں بولی تو ایڈم کا منہ بن گیا۔

”میں ملائیشیاء کا ایک قانون پسند شہری ہوں۔ آپ جو سارا دن میرے اوپر ظلم ڈھاتی ہیں‘ ان کا حساب آپ کو ایک دن دینا ہوگا۔“

”کام پہ دھیان دو اور زیادہ دماغ خرچ مت کرو۔ کہیں ختم ہی نہ ہو جائے۔“ اور پھر ایک برہم سا ’ہونہہ‘ کر کے وہ پلٹ گئی۔

وہ ماتھے پہ لکیریں ڈالے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

”اگر بے جا گمان کرنا گناہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتا کہ کہیں چے تالیہ نے اصلی شہزادی تاشہ کو قید کر کے اس کی جگہ تو نہیں لے لی۔ ویسے ملائیشیاء کے قانون کے مطابق کسی دوسرے کی شناخت اپنا لینے پہ کون سی دفعہ لگتی ہے؟“

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بیٹھا اور چمڑے کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ ابھی اسے کافی سارا کام کرنا تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی سفیدی محل کے میناروں سے ٹکرائی تو جامنی آسمان پہ تیرتے بادلوں کے نارنجی کنارے غائب ہونے لگے‘ یہاں تک کہ دودھیا پن سارے پہ چھا گیا اور آسمان خوب روشن ہو گیا۔

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں سنگھار میز کے سامنے کرسی پہ وہ بیٹھی تھی اور ٹیک لگائے‘ بے نیاز‘ مغرور نظروں سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کھڑی شریفہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھی دانت کا بنا کنگھا پھیر رہی تھی۔

ایک بازو اس نے پھیلا رکھا تھا جس میں ایک دوسری کنیز سونے کے کنگن چڑھا رہی تھی۔

”راجہ نے کہا ہے کہ شاہی اتالیق کو بلوایا جائے۔ وہ آپ کو مختلف فنون اور آداب کی تربیت دیں گے۔ اس کے علاوہ....“

تالیہ نے ابرو اٹھا کے برہمی سے عکس میں اپنے پیچھے کھڑے اسے دیکھا۔

”تاشہ کو سب آتا ہے۔ اسے کچھ بھی نیا سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مگر شہزادی‘ میری عرض سنیئے۔ شہزادیوں کو شاہی آداب سیکھنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔“

”میں پہلے ہی بہت باادب اور سلیقہ مند ہوں۔ راجہ سے کہو‘ میری فکر نہ کیا کریں۔“

شریفہ خاموش ہوگئی۔

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی اور ایک تائی ژیان ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا۔

''شہزادی یان سوفو آپ سے ملنے آئی ہیں۔''

تالیہ چونکی۔فوراً شریفہ کو دیکھا۔پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔اس کا سنگھار مکمل ہو چکا تھا' لبوں پہ لپ اسٹک بھی لگی تھی اور آنکھوں میں کاجل بھی۔مگر بال بنانے ابھی رہتے تھے۔

''شہزادی کو انتظار کرواؤ۔مجھے ابھی دیر ہے۔'' بے نیازی سے بولی اور واپس پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔آئینے میں وہ اپنی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جن میں یان سوفو کے ذکر کے بعد سے تپش سی بھر گئی تھی۔

وہ ظالم شہزادی جس نے الورسونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا تھا....اور نہ جانے کتنے لوگوں کو قید میں ڈالا تھا....جس کی حد سے بڑھی حرکتوں پہ بھی سلطان اس کو ٹوکتا نہ تھا کیونکہ وہ چین کے بادشاہ کی بیٹی تھی اور سلطان کی محبوب منگیتر....جس سے چند دن بعد سلطان کی شادی ہونا تھی....وہ اس وقت ملاکہ کی سب سے طاقتور عورت تھی۔سوائے راجہ مراد کے'اس کے مقابلے پہ کوئی نہ تھا۔

اس کی سازشیں وجہ بنی تھیں کہ تالیہ کا الورسونگائی اجڑ گیا اور وہ وقت کا دروازہ پار کر گئی۔

اور آج وہ اس شہزادی سے ملنے جا رہی تھی۔

تالیہ نے آج گلابی زرتار لباس پہنا تھا۔بالکل شاکنگ پنک۔لہنگا سا قدموں کے نیچے سے فرش پہ جھاڑو دیتا تھا'اور قمیض گھٹنوں تک آتی تھی۔دونوں کہنیوں پہ ریشمی دوپٹہ پیچھے سے ڈال رکھا تھا جو لباس کے ساتھ ہی فرش کو چھوتا تھا۔سنہری بال آدھے باندھے' وہ بالوں پہ تاج پہنے' باہر محل کے سبزہ زار کی روش پہ چلتی آ رہی تھی۔دونوں کنیزیں اور خادم ایک قدم پیچھے تھے۔

باغ میں ایک جگہ چھوٹے چھوٹے درخت لگے تھے۔ان کے ساتھ شہزادی یان سوفو کھڑی تھی۔اس نے چینی طرز کی لمبی میکسی پہن رکھی تھی'اور بالوں کے جوڑے میں لمبی اسٹک اٹکی نظر آتی تھی۔سیاہ بالوں والی دراز قد اور پرکشش شہزادی مسکرا کے دور سے اس کو آتے دیکھ رہی تھی۔اس کے ساتھ جو کنیزیں اور خادم کھڑے تھے'وہ سب بھی چینی تھے۔

گلابی لباس والی تاشہ دونوں پہلوؤں سے لباس اٹھائے' قریب آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''شہزادی۔''اس نے سر جھکا کے آداب کہا تو یان سوفو نے جواباً اپنا سر بھی جھکایا۔''شہزادی!'' پھر مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ماشاءاللہ۔راجہ مراد کی بیٹی تو میری سوچ سے زیادہ خوبصورت ہے۔آپ کو اس محل میں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی'شہزادی تاشہ۔مگر اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ تین ماہ سے ہم ملاکہ میں رہ رہے ہیں' مگر کسی نے ہم سے ذکر تک نہ کیا کہ سلطان کے پھوپھی زاد راجہ مراد کی کوئی بیٹی چین میں بھی رہتی تھی۔ویسے چین کے کس شہر میں اتنے سال گزارے آپ نے؟'' تالیہ جبراً مسکرائی۔

"کسی ایک شہر میں گزارے ہوں تو بتاتی۔ اتنے شہروں میں رہی ہوں کہ مجھے تو سارا چین اپنا ہی لگتا ہے۔"

یان سوفو کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

"آپ کی بہن کی گمشدگی کا سن کے افسوس ہوا۔ کیا تالیہ ابھی تک نہیں ملی؟"

"تاشہ اور میں نے تالیہ کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو وہ ضرور مل جائے گی۔"

آواز پہ وہ چونک کے بے اختیار گھومی۔ راجہ مراد روش پہ چلتا آ رہا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور سپاٹ چہرے پہ سرد سی مسکراہٹ تھی۔ کندھوں پہ پہنی پوشاک قدموں تک آ رہی تھی۔

تالیہ کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تو اسے مضبوط سہارے کا سا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں۔

"راجہ! آپ کو دیکھ کے اچھا لگا۔ کیا آپ نے میرا کام کر دیا؟ پوچھتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا' آپ کو زحمت بھی بہت دے رہی ہوں' مگر کام ضروری تھا۔" یان سوفو نرمی اور خفت سے بولی تھی۔ وہ خفت مصنوعی تھی' یا شاید اس کا انداز ایسا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے شہزادی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔ جو سامان آپ کو درکار تھا وہ میں نے آپ کے محل بجھوا دیا ہے' اور ہاں.... آپ کا چور بھی پکڑا گیا ہے۔"

"آپ کا بہت شکریہ' راجہ!" وہ ممنون ہوئی۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے محل سے تھوڑا سا سونا چوری ہوا تھا۔ راجہ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے سپاہی چور کا سراغ لگا لیں گے۔ میرا ہی ایک ملے غلام تھا جو بھاگا ہوا تھا۔ اور بالآخر راجہ نے اس کو ڈھونڈ ہی نکالا۔"

تالیہ نے محض سر ہلا دیا۔ اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ شہزادی اب پھر سے راجہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ شہد سے میٹھے لہجے' ممنون چہرے۔ کیا یہ دونوں دشمن نہیں تھے؟

"یہ رہا آپ کا مجرم!" چند سپاہی دور ایک شخص کو رسیوں میں باندھے لے کر جاتے نظر آ رہے تھے۔ غالباً وہ راجہ کے ساتھ ہی آئے تھے۔ راجہ نے اشارہ کیا تو وہ اس شخص کو وہیں لے آئے۔ اس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پیر بھی زنجیر پا تھے۔

یان سوفو نے ایک محظوظ نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اب سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"اس کی پٹی کھولو۔ میں چاہتی ہوں کہ سزا کے وقت یہ میری آنکھوں میں دیکھے۔"

"آپ اس کو ابھی سزا دینا چاہتی ہیں۔" راجہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یان سوفو نے چمک کے اسے دیکھا۔ "کیا آپ نہ دیتے؟"

"میرا مطلب تھا' اس جگہ؟ باغ میں؟ خیر!" راجہ خاموش ہو گیا۔ سپاہیوں نے قیدی کی پٹی کھول دی۔ اس نے شہزادی کو دیکھا

اور نظریں خفت سے جھکا لیں۔تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔

شہزادی نے ایک ہاتھ پھیلایا تو ایک سپاہی نے اس پہ تلوار رکھی۔دوسرے سپاہی نے قیدی کا دایاں ہاتھ رسی سے نکال کے زور زبردستی سے سامنے کیا۔تالیہ کا سانس تھم گیا۔

(یہ آدمی چور نہیں ہے۔اگر چور ہوتا تو منت سماجت کرتا۔یہ تو سزا کے لئے تیار ہے۔)اس نے چونک کے راجہ مراد کو دیکھا جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا' سنجیدگی اور خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔(یہ آدمی بابا نے پکڑا ہے۔اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔بابا نے اصل چور کو بچانے کے لئے اس کو سامنے کر دیا ہے۔)ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔

''اسلام میں جو چور کی سزا ہے' وہی میں' شہزادی یان سوفو' تمہیں دیتی ہوں۔'' کہہ کے شہزادی نے مہارت سے تلوار بلند کی۔ چور نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔تلوار نیچے آئی اور اس کا ہاتھ کلائی سے کٹ کے نیچے گرا گئی۔خون کے چھینٹے سیدھے تالیہ کے اوپر آتے مگر وہ تیزی سے پیچھے ہوگئی۔بے اختیار اس نے باپ کی کہنی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ آدمی درد سے چلا رہا تھا۔بازو سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔

یان سوفو نے تلوار واپس تھما دی' اور مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔وہ لوگ سپاہی کو لئے واپس مڑ گئے۔اس کا خون یہاں وہاں گھاس پہ گرتا جا رہا تھا۔

''شکریہ بنداہارا۔مجھے امید ہے آئندہ بھی آپ میرے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے میری مدد کرتے رہیں گے۔'' یہ کہہ کے شہزادی مڑ گئی۔اس کا عملہ بھی ساتھ ہی پلٹ گیا۔اور سبک رفتاری سے وہ روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

تالیہ اسی طرح سن کھڑی تھی۔مراد کی کہنی سے آستین اس نے سختی سے بھینچ رکھی تھی۔آنکھیں دور جاتی یان سوفو پہ جمی تھیں۔

''بابا۔''لب پھڑپھڑائے۔مراد نے گردن موڑ کے غور سے اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔

''شریفہ کہہ رہی تھی کہ آپ میرے لئے شاہی اتالیق بھجوانا چاہتے ہیں جو مجھے شاہی آداب کی تربیت دے۔''اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور نظریں وہیں جمی تھیں۔''آپ کل صبح اس کو میرے پاس بھجوا دیں۔میں شہزادیوں کی طرح رہنا سیکھنا چاہتی ہوں۔''

راجہ مراد ہلکا سا مسکرایا۔ایک ہاتھ سے تالیہ کا کندھا ذرا دبایا اور آگے بڑھ گیا۔تالیہ کی بھنچی مٹھی سے اس کی کہنی پھسل گئی۔مٹھی خالی رہ گئی۔اور دور اسی نکتے پہ جمی نظریں ویسے ہی خالی تھیں۔

☆......☆......☆

قدیم کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔کونے میں زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم ایک چوکی پہ کاغذ پھیلائے' سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھ رہا تھا۔چراغ چوکی پہ رکھا تھا اور اس کی پھڑپھڑاتی زرد روشنی صفحات کو روشن کیے ہوئے تھی۔

(میرا نام ایڈم بن محمد ہے اور میں ہمیشہ سے ایک مستقبل کے خوف کا شکار انسان رہا ہوں۔) وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھ رہا تھا....

(میں اپنے اتوار' سوموار کے آنے کے خوف میں ضائع کر دینے والا انسان ہوں۔ میں ہمیشہ کل کیا ہوگا اور میں یہ کیسے کروں گا سوچنے والا انسان ہوں۔)

ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا بوڑھا باورچی سیخوں پہ گوشت کے ٹکڑے پرو رہا تھا' اور ساتھ کھڑے فاتح کو سمجھا رہا تھا۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے' غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

(مستقبل کے خوف کے ساتھ ناکامی کا خوف بھی میرے اوپر ہمیشہ طاری رہا ہے۔ میں زندگی کا ہر باب شروع کرنے سے قبل یہ سوچتا ہوں کہ کیا کروں جو ہار سے بچ جاؤں؟)

محل کے برآمدے میں اتالیق چند خادموں کے ہمراہ کھڑا تھا' اور انگلیوں پہ لمحے شمار کر رہا تھا۔ جبکہ تالیہ سر پہ سیبوں کا تھال رکھے' آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سیدھی لکیر میں۔ چند قدم اٹھائے ہی تھے کہ توازن بگڑا۔ سارے سیب نیچے آگرے۔

(مگر وان فاتح کہتے ہیں کہ زندگی ان پہ مہربان ہوتی ہے جو یہ سوچ کے نئے باب شروع کرتے ہیں کہ ہمیں جیتنا کیسے ہے؟)

فاتح چولہے پہ چڑھے برتن میں بوتل سے مائع انڈیل رہا تھا.... آگ نے مائع کو چھوا' اور شعلہ سا بھڑکا۔ اس کے ہاتھ کو آگ کی لپٹ نے چھوا اور وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا.... جلن کا شدید احساس....

(میں ان ساری کتابی باتوں کو مانتا ہوں کہ ہاں' ہمیں ہمیشہ مثبت ہی سوچنا چاہیے وغیرہ وغیرہ مگر میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ مثبت سوچنے کا آغاز کیسے کیا جائے۔)

چھوٹی میز کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ درمیان میں بڑے پیالے میں پانی رکھا تھا۔ اتالیق غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بار بار پانی میں ہاتھ مارتی تھی۔ پانی اچھل کے باہر آگرتا۔ وہ بے بسی سے اس کو دیکھتی اور کندھے اچکاتی۔ (اس کا کیا فائدہ' استاد؟)

(میں بھی فاتح صاحب جیسا مثبت آدمی بننا چاہتا ہوں مگر میں کہاں سے شروع کروں؟)

فاتح جلے ہاتھ کے ساتھ گوندھے میدے کو بیل رہا تھا۔ روٹی بار بار ٹوٹ جاتی۔ وہ ضبط کر کے پھر سے شروع کرتا۔ پھر ایک دم اس نے روٹی اکٹھی کر کے مٹھی میں بھینچی اور دیوار پہ دے ماری۔ پھر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ چند لمحے گزرے اور اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل کیا اور دوبارہ سے پیڑے نکالنے لگا۔

(اور اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ پہلے میں اپنے اندر کے منفی پن کو نکالنے کی سعی کروں؟ مجھے سب سے پہلے کون سی چیز منفی ردعمل کی طرف دھکیلتی ہے؟ لوگوں کی باتیں۔ غصہ دلاتی' خوف دلاتی باتیں۔)

وہ مسہری پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ریشمی کپڑا تھا جس پہ سوئی سے وہ کچھ کاڑھ رہی تھی۔ اتالیق اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' کمر پہ ہاتھ باندھے' جھک کے ٹانکا دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا تو تالیہ نے غصے سے کپڑا گول مول کر کے واپس پھینک دیا۔ اتالیق آگے بڑھا' جھک کے کپڑا اٹھایا اور ادب سے واپس شہزادی کو لا دیا۔ تالیہ نے روہانسی ہو کے اسے دیکھا اور تھام لیا۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جلد باز بنایا گیا ہے۔ یعنی جلد ردعمل دے دینے والا۔ اس کا مطلب ہے ہم انسانوں کو اپنے اندر فیڈ اس پروگرام کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں ذرا ذرا سی بات پہ ردعمل دینے سے خود کو روکنا ہوگا۔)

وہ رسوئی میں کھڑا تھا۔ اور سامنے ڈھیروں پیالیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے دان کو ہوا میں کئی فٹ بلند کیے' پیالیوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ قہوے کی دھار سی نیچے آتی اور ایک ایک کپ کو بھرنے لگتی۔ جہاں اسکا ہاتھ ڈھیلا ہوتا اور قہوہ باہر چھلکتا' وہیں ایک ہٹا کٹا پہریدار زور سے چھڑی اس کی کمر پہ مارتا۔ وہ ضبط سے لمحے بھر کو آنکھیں میچتا' پھر دوبارہ سے گہری سانس لے کر چائے انڈیلتا....

(میں نے یہ سیکھا ہے کہ جب تک میں ہر ایک کی ہر بات کو دل سے لگاتا رہوں گا' تب تک میں اذیت میں رہوں گا۔ کسی دوسرے انسان کو صرف الفاظ سے میرا سکون چھیننے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔)

وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی تھی اور ہاتھوں میں ستار اٹھا رکھا تھا۔ اس کی مختلف تاروں کو چھیڑتی وہ اسے بجانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اتالیق کھڑا افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کے مزید تیز تیز انگلیاں تاروں پہ رگڑنے لگی۔ انگلیوں کے پوروں سے خون نکلنے لگا۔

(اصل طاقت تو ٹھنڈے رہنے میں ہے۔ اصل طاقت ور لوگ وہی ہیں جو لوگوں کی ہر رائے پہ یقین نہیں کر لیتے بلکہ اکثر باتوں کو درگزر کر جاتے ہیں اور ان کو بے جا سوچتے نہیں رہتے۔)

دو چولہوں پہ کڑاہیاں رکھی تھیں۔ وہ بیک وقت تیزی سے دونوں ہاتھوں سے ان میں چیزیں الٹ رہا تھا۔ پھر کڑاہی کے ہینڈل کو پکڑ کے اٹھا کے سبزیوں کو الٹا پلٹا۔ انداز میں مہارت اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ دور بیٹھے بوڑھے باورچی نے محض نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اور مسکرا کے جھک کے اپنا کام کرنے لگا۔

(اگر دوسروں کے مونہوں سے نکلے الفاظ ہمیں کنٹرول کرنے لگ جائیں تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم نے اپنی پوری ذات کا کنٹرول دوسروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ نہیں۔ اگر مجھے مثبت انسان بننا ہے تو مجھے پہلے قدم کے طور پہ اپنے ''موڈ'' کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں واپس لینا ہوگا۔)

وہ سر پہ ایک کتاب کے اوپر سیب رکھے' سفید چاک کی کھینچی لائن پہ سیدھ میں چل رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب پیر نہیں رپٹ رہا تھا۔ وہ بالکل سیدھی چل رہی تھی۔

(میں بطور انسان کے اکیلا ہی اس دنیا میں آیا تھا اور اکیلا ہی جاؤں گا۔ میرے دوست اور میرے گھر والے بھی ہر وقت میری پسند کی بات نہیں کہہ سکتے۔ میں دن میں بہت دفعہ بہت سی باتوں پہ دکھی ہوں گا' اور اس دکھ سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟)

ابوالخیر کی طویل ڈائننگ ٹیبل سجی تھی۔ اوپر فانوس جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ابوالخیر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کھڑا 'غلام' چائے دان سے اس کی ننھی پیالی میں سرعت سے قہوہ انڈیل رہا تھا۔ دھار برابر تھی۔ ایک قطرہ بھی باہر نہیں چھلکا تھا۔

(مثبت سوچ! مجھے یہ مثبت سوچ رکھنی ہے کہ جو بری بات یہ شخص میرے بارے میں منہ سے نکال رہا ہے' یہ اس کی رائے ہے اور جیسے اس کی زندگی کے بارے میں بہت سی دوسری آراء غلط ہو سکتی ہیں' ویسے ہی یہ بھی غلط ہے۔)

تالیہ اور اتالیق لکڑی کی میز کے دونوں سروں پہ بیٹھے تھے۔ اس نے زور سے پانی کے پیالے پہ ہاتھ مارا۔ پانی چھلکا۔ اتالیق نے دوبارہ کرنے کو کہا۔ اس نے دوبارہ سیدھا ہاتھ مارا مگر اتالیق نے جلدی سے پیالہ ہٹا لیا۔ اس کا ہاتھ میز پہ پوری قوت سے لگا۔ لکڑی کی میز تڑاخ سے تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ تالیہ کی آنکھیں حیرت اور استعجاب سے پھیل گئیں۔

(اور کسی کی غلط آراء کے پیچھے صرف بے وقوف لوگ اپنا موڈ خراب کرتے ہیں۔)

اس کے سامنے tapestry رکھی تھی اور وہ کھڑے کھڑے اس پہ مہارت سے سوئی سے ٹانکے کاڑھے جا رہی تھی۔ ایک پورٹریٹ سا نقش ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا کے رفتار تیز کیے گئی۔

(میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح مجھے وان فاتح کی طرح ہمیشہ جیت کا سوچنا ہے' یا مستقبل کے خوف سے نکل آنا ہے۔ میں واقعی نہیں جانتا مگر میرے خیال میں' زندگی کو جتنا اب تک میں سمجھا ہوں' اگر میں مثبت انسان بننا چاہتا ہوں تو مجھے سب سے پہلے اپنے موڈ' اپنی مسکراہٹوں اور اپنے آنسوؤں کا اختیار دوسروں کی زبانوں سے واپس لینا ہوگا۔)

وہ سلائیوں کو ہاتھ میں پکڑے' باغیچے میں کرسی پہ بیٹھی' تیزی سے اون کے دھاگے کو بنے جا رہی تھی۔ الٹا' سیدھا' اون کے گھر' ہر شے اس کی انگلیوں پہ بہت آسان ہوتی جا رہی تھی۔

(جب تک میں ہر آدمی کی رائے پہ دکھی ہوتا رہوں گا یا جواب میں اس پہ غصہ کرتا رہوں گا' میں بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔)

وہ چمٹے کی مدد سے بھنی ہوئی بوٹیاں اٹھا اٹھا کے طشتری میں رکھ رہا تھا۔ سارے باورچی خانے میں باربی کیو کا دھواں اور مہک پھیلی تھی۔ باورچی نے کلیجی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں رکھا تو اس کے تاثرات خوشگوار ہو گئے لیکن پھر چہرہ سنجیدہ بنائے آگے بڑھ گیا۔

(میں یہ بھی نہیں جانتا کہ بڑا آدمی کون ہوتا ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہے مجھے کہ سارے بڑے آدمی مثبت سوچ والے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ایک بات مجھے اچھے سے معلوم ہو گئی ہے۔)

اتالیق کتاب اٹھائے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور وہ سامنے کرسی پہ مودب بیٹھی' کتاب کو دیکھے بغیر مسکرا کے لفظ بہ لفظ سب

سنائے جا رہی تھی۔

(انسان کو چھوٹا اس کی سوچ بناتی ہے۔ بڑی سوچ' اچھی سوچ اسے آزاد کرتی ہے۔)

وہ چھرا ہاتھ میں لئے لکڑی کے تختے پہ کٹ کھٹ سرخ ہری سبزیاں کاٹ رہا تھا۔

(اگر میں اپنی سوچ کو آزاد کرنا سیکھ جاؤں' اور میں اپنے ہر قسم کے خوف سے خود کو نکال لوں' تو میں اتنا ہی ٹھنڈا اور آزاد انسان بن جاؤں گا جتنا فاتح صاحب ہیں۔ جتنے سارے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں میں ابھی سارے گُر نہیں سیکھ پایا لیکن تھوڑی بہت زندگی کی حقیقت مجھے معلوم ہونے لگی ہے۔)

تالیہ تیر کمان کو تانے فضا میں نشانہ باندھے' زور سے کمان کھینچ رہی تھی۔ تیر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا ایک پرندے کے اندر پیوست ہو گیا۔ اس نے مسکرا کے کمان نیچے کی۔ پرندہ گھائل ہو کے سیدھا نیچے آن گرا۔

(اور جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا)

ایڈم نے سیاہی میں ڈوبا قلم پرے رکھا اور اداس مسکراہٹ سے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔ اس پہ سیاہی ابھی گیلی تھی۔ اس نے کاغذ کا کنارہ چراغ کے شعلے پہ سلگایا۔ آگ نے کاغذ کو پکڑ لیا اور وہ پھیلنے لگی۔ وہ اپنے الفاظ کو جلتے ہوئے دیکھنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں اس کے الفاظ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

قدیم ملے میں لکھے خوبصورت' پختہ الفاظ۔

☆......☆......☆

(چار ہفتے بعد)

اس صبح سورج نکلتے ہی بادل ایسے چھائے کہ آسمان پھر سے سیاہ پڑنے لگا۔ سارے پہ چھاتا سی تن گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ محل کے کتب خانے کی کھڑکی کے ساتھ کرسی میز پہ بیٹھے ایڈم نے کتاب سے سر اٹھا کے کھڑکی کے شیشے سے ٹڑ ٹڑ ٹکراتی بوندوں کو دیکھا اور پھر چہرہ موڑا۔ مناسب خوراک اور صاف لباس کے باعث وہ نارمل لگ رہا تھا۔

''کیا میں اب شہزادی تاشہ سے مل سکتا ہوں؟ چار ہفتے سے میں قید ہوں اور شہزادی اول روز کے بعد دوبارہ مجھ سے نہیں ملیں۔'' انداز شکایتی تھا مگر لہجہ صاف تھا۔

پیچھے کھڑے پہریدار سپاہی نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''شہزادی آج کل اتالیق کے ساتھ مصروف ہوتی ہیں۔ اور وہ ہر وقت قیدیوں سے ملاقات نہیں کرتیں۔ اس لئے اپنے کام سے کام رکھو۔''

ایڈم نے گہری سانس لے کر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔اس کے ساتھ کے دونوں قیدیوں کو شہزادی کے فرمان کے مطابق رہا کر دیا گیا تھا۔ایک وہ ہی رہ گیا تھا۔مگر اس دوران وہ قدیم ملے بول' سمجھ اور لکھ لیتا تھا۔وہ جدید ملے سے بہت زیادہ مختلف نہ تھی۔پھر بہت سی کتابیں یہاں دستیاب تھیں اور کتابیں پڑھنے میں وہ ہمیشہ سے اچھا رہا تھا۔

کتب خانے سے دور محل کے ایک اونچے مینار میں بنی کھڑکی شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں کھلتی دکھائی دے رہی تھی۔اس کھڑکی پہ بھی بوندیں تڑاتڑ برسے جا رہی تھیں۔

اندر پلنگ پہ ٹیک لگائے تالیہ بیٹھی تھی۔ریشمی لحاف سینے تک ڈالے' وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔بال کھلے تھے اور ہاتھوں میں کوئی کتاب پکڑ رکھی تھی۔بار بار جمائی روکتی تھی۔قریب شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی بتا رہی تھی۔

"سلطان مرسل کو پیغام بھجوایا تھا کہ آپ ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔پچھلے چار ہفتوں میں کئی بار پیغام پہنچا چکے ہیں ہم مگر ملکہ یان سو فو منع کروا دیتی ہیں۔آپ اپنے بابا سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ سلطان سے آپ کی ملاقات کروا دیں۔" (یان سو فو کی سلطان سے شادی ہو چکی تھی اور اب وہ ملکہ بن کے سلطنت محل میں منتقل ہو چکی تھی۔تالیہ شادی پہ نہیں گئی تھی۔ابھی وہ اتنے سارے لوگوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔)

"رہنے دو۔" کتاب پڑھتے پڑھتے تالیہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔"بابا کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ کافی دن سے سلطان سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ملکہ اس کے قاصد کو سلطان تک پہنچنے سے قبل ہی واپس موڑ دیتی تھی۔

"آپ اتالیق کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کے سوا سارا دن اس کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔آپ بیمار تو نہیں ہیں شہزادی؟ میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کیونکہ اتنے پرتعیش کمرے اور ہر طرح کی اچھی خوراک کے باوجود بھی آپ اداس نظر آتی ہیں۔"

تالیہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔(کیونکہ یہاں زندگی بہت آسان ہے۔یہ دنیا بہت مختلف ہے۔یہاں کھانے کو بہت کچھ ہے۔تلے ہوئے' بھنے ہوئے گوشت سے بھرپور کھانے۔اتنی کیلوریز۔اور پھر یہاں میں میلوں جاگنگ نہیں کر سکتی۔یہاں جم نہیں ہے۔یہاں پارٹیز نہیں ہیں۔یہاں سوئمنگ نہیں کی جا سکتی۔صرف ایک چیز ہے۔ٹارگٹ۔راجہ کی دسترس سے وہ چابی چرانی ہے مجھے۔سارے پلان اسی کے گرد گھومتے ہیں۔)

سوچتی رہی مگر بولی کچھ نہیں۔پھر احساس ہوا شریفہ کچھ کہہ رہی ہے وہ چونکی۔"کیا؟"

"آپ کو ابوالخیر کی حویلی میں دلچسپی تھی نا شہزادی۔آج شام ابوالخیر نے راجہ مراد کو اپنے ہاں دعوت پہ مدعو کیا ہے۔سلطان مرسل اور ملکہ بھی وہاں ہوں گے۔"

"اچھا۔واقعی۔" وہ کتاب پرے پھینک کے ایک دم سیدھی ہوئی۔

(''کھانے کی دعوت ہے؟ جانے کھانا کون بنا رہا ہوگا۔'') دل اس خیال پہ زور سے دھڑکا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ ''تم میرا بہترین لباس اور زیور تیار کرو۔''

''آپ.... آپ بھی جائیں گی دعوت میں؟''

''تاشہ کو کوئی روک کے دکھا سکتا ہے کیا؟!'' وہ شریفہ کو دیکھ کے مسکرائی تھی۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں بنی جیل شام ڈھلتے ہی بھرنے لگی تھی۔ قیدی غلاموں کو واپس لا کے اس میں بھرا جا رہا تھا۔ سارے دن کی مشقت کے بعد تھکے ہارے قیدی اندر آ کے نڈھال سے ادھر ادھر لڑھکنے لگے تھے۔

ایسے میں صرف وہی غلام باہر تھے جو احاطے کے دوسرے کاموں پہ مامور تھے یا جن کو حویلی کے اندر خدمت پہ رکھ لیا گیا تھا' جیسے فاتح رامزل جو باورچی خانے میں کام کر رہا تھا۔

وہ سر جھکائے کھڑا مچھلی کے قتلے بناتا نظر آتا تھا۔ ماتھے پہ مقامی لوگوں کی طرح پٹی باندھ رکھی تھی۔ سرمئی پاجامے کے اوپر کرتے کی آستینیں کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں۔ رنگت کافی جھلس گئی تھی۔ پہلے سے کمزور بھی لگ رہا تھا گو کہ اسے اچھی غذا ملتی تھی مگر وہ جو بہت مناسب ڈائٹ فوڈ کھانے کا عادی تھا' اسے یہ غذا اب کہیں جا کے بمشکل سوٹ کی تھی' ورنہ شروع شروع میں اکثر معدہ الٹنے کو آ جاتا تھا۔ مگر وہ تحمل سے برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ساتھی باورچی ساتھ آ کے کھڑا ہوا اور چولہے پہ چڑھے پتیلے کا ڈھکن اتار کے دیکھنے لگا تو فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''کون آ رہا ہے جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جا رہا ہے؟'' وہ اب قدیم ملے کے چند الفاظ بول اور سمجھ لیتا تھا۔ ایڈم جیسی شستہ گفتگو تو نہیں کر سکتا تھا' مگر اشاروں اور چند الفاظ سے بات سمجھا لیتا تھا۔

''سلطان مرسل.... ملکہ یان سوفو.... بنداہارا راجہ مراد....'' دوسرا باورچی مہمانوں کے نام گنواتا گیا۔

فاتح کے سبزی کاٹتے ہاتھ دھیمے پڑے۔

''کیا بنداہارا کے ساتھ کوئی اور نہیں آئے گا؟'' سر جھکائے سرسری سا پوچھا۔

''مثلاً کون؟'' وہ دیگچے میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔

''ملکہ ایک خاتون ہیں اور ابوالخیر کے گھر میں کوئی خاتون نہیں رہتی تو کیا ملکہ تنہا بیٹھیں گی؟ کس سے باتیں کریں گی؟'' مزید سرسری سا پوچھا۔

''وہ تنہا کیوں ہوں گی۔ ان کے سب سے معزز قرابت دار کو جو مدعو کر رکھا ہے ابوالخیر نے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔ غلام نے ڈھکن واپس رکھا اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''وہ جس کو ابوالخیر ہر چند دن بعد حویلی میں بلا لیتے ہیں۔ جو رات گئے تک یہاں بیٹھا ملکی امور پہ گفتگو کرتا ہے اور شطرنج کھیلتا ہے .... سن باؤ تائی ژیان۔ (تین نگینوں والا غلام۔)''

فاتح نے اتنی تیزی سے گاجر کا ٹکڑا کاٹا کہ چٹخنے کی زوردار آواز آئی۔ فوراً سے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مختلف رنگ تھے۔ جیسے وہ شاک میں ہو۔

''سن باؤ۔ (تین خزینے) تائی ژیان (غلام)؟'' باورچی کو دیکھ کے دہرایا۔ ''یعنی چینی بادشاہ کا تائی ژیان (مخنث غلام) جو ملکہ یان سوفو کے ساتھ چین سے آیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''وانگ لی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

فاتح کا چہرہ یوں تھا گویا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پھر وہ جبراً مسکرایا۔ ''مجھے اس کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیا آج میں برتن لگا سکتا ہوں؟''

باورچی نے چونک کے اسے دیکھا' پھر فوراً دور کھڑے بوڑھے نگران کو۔ اس کا چہرہ جیسے دمک اٹھا تھا۔ ''ہاں کیوں نہیں۔ تم سب سیکھ تو چکے ہو۔ میں تمہارے کمرے میں آج آرام کر لوں گا۔ تم نگران کو کہنا میری طبیعت خراب ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ سنبھال لوں گا۔'' وہ بدقت مسکرایا۔

''تو پھر یہ شوربہ تم ہی اندر لے جاؤ۔ وانگ لی کب کا آیا بیٹھا ہے۔ ابھی دوسرے مہمان نہیں آئے۔'' دیگچے کی طرف اشارہ کر کے وہ غلام خوشی خوشی پیچھے ہٹ گیا۔ فاتح نے دور دوسرے ملازموں کے سر پہ کھڑے نگرانی کرتے بوڑھے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ چند منٹ اس کو راضی کرنے میں بھی لگنے تھے۔

جس لمحے وہ لکڑی کی طشتری میں چاندی کے پیالے میں شوربہ رکھے باورچی خانے سے نکلا تو سامنے طویل راہداری نظر آ رہی تھی۔ وان فاتح قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔

(یہ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔ سن باؤ.... یعنی تین خزانے یا نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں (تین عقائد)۔ بدھا۔ دھرما۔ سنگھا۔)

وہ طشتری اٹھائے راہداری میں آگے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار لب کاٹتا۔ سر جھٹکتا۔

(وانگ لی ایک چینی غلام تھا۔ پندرہویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔)

اس نے راہداری کا موڑ مڑا اور بڑے سے دیوان خانے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک کونے میں شطرنج کی بساط ہوئی میز پہ بچھی تھی اور اس کے گرد دو کرسیوں پہ آمنے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ابوالخیر اور.....اور وانگ لی۔

(پھر وہ چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔)

فاتح ان کے قریب آیا اور ادب سے طشتری سے پیالہ نکال کے ابوالخیر کے سامنے رکھا۔

ابوالخیر مہندی رنگ لمبے بالوں والا آدمی تھا۔ جیسے ببر شیر کے بال اس کے چہرے کے دائیں بائیں پڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک آنکھ تیر لگنے سے ضائع ہو چکی تھی مگر وہ اس کے اوپر کسی قسم کا patch نہیں پہنتا تھا۔ بدہیئت' مجروح' کانی آنکھ جو پھولے انگور کی طرح تھی' اسی طرح سب کو نظر آتی رہتی اور طبیعت عجیب کر دیتی۔ غلام دبے الفاظ میں اس کو' کانا دجال' بھی کہتے تھے۔

(یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔)

پھر وہ ترچھا ہوا اور دوسرا پیالہ وانگ لی کے سامنے رکھا اور پھر....نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

(میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ بیٹھا تھا' پھر ادھر آ گیا۔ یہ مجسمہ....تب یہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا۔ یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔)

وہ فربہ سا' لمبے سیدھے سیاہ بالوں والا ایک ادھیڑ عمر چینی شخص تھا۔ پیروں تک آتا چغہ پہن رکھا تھا اور تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے سوچ میں ڈوبا شطرنج کی بساط کو دیکھ رہا تھا۔ سارے بال پتلی پتلی مینڈھیوں میں بندھے تھے۔ سر پہ چینی طرز کی ٹوپی تھی۔ پھولے گال اور چھوٹی آنکھیں۔ اور چہرے کی وہ سادگی۔ ہو بہو مجسمے سا۔

(عجیب کشش تھی اس مجسمے میں۔ اب بھی ہے۔ مانوسیت۔ اپنائیت....جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔)

وانگ لی نے یکدم نظر اٹھا کے اس غلام کو دیکھا' اور ہلکا سا مسکرایا' پھر شوربے کا پیالہ اپنے آگے کرتے ہوئے دوبارہ توجہ شطرنج کی طرف مبذول کر لی۔

''تمہاری چال کا توڑ سوچ رہا ہوں' ابوالخیر۔ کیوں نا یہ پینے تک ہم کھیل کو روک دیں۔'' شوربے (سوپ) کو چمچ میں بھرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انداز میں ایک خوش مزاجی اور زندہ دلی تھی۔ جیسے وہ بات بہ بات ہنس دینے کا عادی ہو۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟)

''میری چال کا توڑ کرنا اتنا آسان نہیں ہے' وانگ لی۔ میں وہاں سے آتا ہوں جہاں سے دوسروں کے فرشتوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔''

وان فاتح خالی طشتری اٹھائے پلٹ گیا۔ اب وہ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟) سکندر نے اس کو روک کے پوچھا تھا۔

(شہزادی تاشہ نے۔) اس نے جواب دیا تھا۔

وہ اب واپس راہداری میں جا رہا تھا۔ باورچی خانہ چند گز کے فاصلے پہ تھا۔

(پھر تاشہ کا کیا ہوا؟)

(معلوم نہیں.... کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔ مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔ اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔ یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔)

باورچی خانے میں واپس آ کے وان فاتح نے طشتری (ٹرے) میز پہ دھری اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

وقت بھی کیا عجیب چیز ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ کب کسی کو کہاں لے جائے' کیا سے کیا بنا دے۔

☆......☆......☆

شام مزید گہری ہوئی اور مغرب اتر آئی تو رات کے کھانے کا وقت ہو چلا۔ ملاکہ میں لوگ سرِ شام ہی کھانا کھا کے سو جاتے تھے ۔ پھر علی الصبح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ اٹھتے اور کاموں میں جت جاتے۔

ابوالخیر کے دیوان خانے میں آدھ درجن فانوس جگمگا رہے تھے۔ طویل ڈائننگ ٹیبل پہ جگہ جگہ کینڈل برار کھے تھے جن میں لمبی کھڑی موم بتیاں سارے کو روشن کر رہی تھیں۔ خوبصورت دیوان خانے میں وہ زرد روشنی خوابناک سا ماحول بنائے ہوئے تھی۔

سربراہی کرسی پہ سلطان مرسل بیٹھا تھا' جو بہت مرغوبیت سے بھنے ہرن کا گوشت کھا رہا تھا۔ سر پہ قیمتی پتھروں سے مزین ٹوپی اور نیچے سرخ زرتار چغہ پہنا تھا۔ وہ بمشکل چوبیس پچیس برس کا خوش شکل اور لاابالی سا نوجوان لگتا تھا۔ لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔

اس کے دائیں ہاتھ ملکہ یان سوفو بیٹھی تھی۔ لاپرواہ شوہر کی نسبت وہ سلجھے ہوئے انداز میں کھانا تناول کر رہی تھی' اور بار بار چھوٹی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ بھی لیتی تھی۔ سن باؤ وانگ لی ملکہ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے عادتاً مسکرا کے ذائقے کی تعریف بھی کر رہا تھا۔

سلطان کے بائیں ہاتھ موجود ابوالخیر بس خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا' البتہ وہ کچھ بے چین تھا۔ بار بار اپنے ساتھ بیٹھے مراد کو دیکھتا جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی تسلی دے دیتا۔ وہ سب سے زیادہ مطمئن' پرسکون اور پراعتماد تھا۔ جیسے وہاں موجود ہر شخص کی سوچ سے واقف ہو۔ جب ابوالخیر کی نگاہوں کا اصرار بڑھتا گیا تو مراد نے مسکرا کے مرسل شاہ کو مخاطب کیا۔

''آقا... جیسا کے میں نے ذکر کیا تھا محل کو اس وقت ایک نئے خزانچی کی ضرورت ہے۔ ایک قابل وزیرِ خزانہ۔ جو محل میں سارے ملک سے آئے گئے خراج اور محصول (ٹیکس) کا حساب رکھ سکے اور اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اچھے سے خرچ کر سکے۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں تو کرونا۔'' دونوں کہنیاں میز پہ جمائے مرسل نے خوش دلی سے کہا' اور پھر دانتوں سے ہرن کی بوٹی توڑی۔ ذائقہ منہ میں گھلا تو اس نے جیسے سر دھنا۔ ''ابوالخیر تم اتنا اچھا ہرن بنا سکتے ہو۔ تمہیں تو ہمارے شاہی باورچی خانے میں ہونا چاہیے۔ ایسا ہرن تو میری ماں بھی نہیں بنا سکتی۔'' ساتھ ہی وہ ہنسا۔

کوئی بھی جواباً نہ ہنسا۔ ملکہ نے آنکھیں میچ کے جیسے ضبط کیا اور ابوالخیر نے ایک شاکی نظر مراد پہ ڈالی۔ مراد نے جواباً پلکیں جھپکا کے اشارہ کیا۔ (دھیرج۔ صبر۔ ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔) ابوالخیر نے سر جھٹکا اور مسکرا کے بولا۔ ''آقا کو پسند آیا' میری خوش نصیبی ہے۔''

وانگ لی نے محض ایک افسردہ نظر مرغوبیت سے کھانا کھاتے سلطان پہ ڈالی۔ اسے جیسے ملاکہ کی قسمت پہ افسوس ہوا تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو ابوالخیر نے نظر اٹھائی۔ نیا غلام صراحی اندر لا رہا تھا۔ ابوالخیر نے سر کے خم سے اسے تائیدی اشارہ کیا تو فاتح اندر آیا' رواج کے مطابق جھک کے سلطان کو سلام کیا۔ باقی سب کھانے میں اور اپنی سوچ میں گم تھے' اور سلطان کھانے میں۔ ایسے میں صرف وانگ لی نے محسوس کیا' کہ اس توانا' وجیہہ مرد غلام نے سلطان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بھی گردن پوری نہیں جھکائی' اور اپنی آنکھیں مسلسل اٹھائے اس نے گہری نظروں سے سلطان کو بغور دیکھا تھا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوا' نظریں جھکا دیں اور صراحی سے سلطان کی پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

وانگ لی یونہی اس کو دیکھنے لگا۔ قہوے کی دھار پیالی میں گر رہی تھی۔ فاتح کی نظریں جھکی تھیں۔ ایک دم اس نے نظریں اٹھائیں اور وانگ لی کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

غلام کی نظروں میں ایسی چمک تھی.... ایسا ٹھنڈا آدمی لگا تھا وہ اس کو کہ وانگ لی نظر نہ جھکا سکا۔ پھر فاتح نے نظریں جھکا دیں اور اپنا کام کرنے لگا۔

یکدم دروازے پہ ہلچل مچی۔ ابوالخیر چونک کے اٹھا.... سلطان نے بھی چہرہ اٹھایا۔

''کیا کوئی اور بھی مدعو ہے' ابوالخیر۔'' مرسل شاہ کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ باہر سے تیزی سے خادم اندر داخل ہوا اور ہاتھ باندھ کے سر جھکا کے اطلاع دی۔

''شہزادی تاشہ بنتِ مراد تشریف لائی ہیں۔''

میز پہ بیٹھے سب افراد چونکے تھے۔ اور سر جھکائے قہوہ انڈیلتا فاتح ہلکا سا مسکرایا تھا۔

One a socialite , always a socialite!)

وہ یقیناً پارٹیز کو مس کرتی ہے)

ابوالخیر نے فوراً اثبات میں سر کو جنبش دی۔ پہریداروں نے دیوان خانے کے دروازے کھولے۔ چوکھٹ پہ وہ کھڑی تھی۔

وہ دو پیالوں میں قہوہ انڈیل چکا تھا۔ صراحی سیدھی کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

سنہرے بال گھنگریالے کر کے آگے ڈالے تھے۔ سر پہ حجاب کے نام پہ ریشمی سبز کپڑا تھا جو برائے نام تاج تلے اٹکا تھا اور پیچھے کمر پہ گرتا تھا۔ وہ پاؤں تک آتی لمبی کامدار میکسی پہنے ہوئے تھی۔ گھاس جیسے سبز رنگ کی میکسی اور موٹے موٹے زمرد سے جڑے زیورات ۔ایسا خوبصورت سبز رنگ کہ چہرہ دور سے دمکتا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے قہوہ ڈالتے غلام کو ایک نظر بھی نہ دیکھا۔ بس خوبصورت آنکھیں سلطان پہ جمائے رکھیں۔

''دیر سے آنے کے لئے معذرت چاہتی ہوں' آقا۔ آج طبیعت ذرا سست تھی۔ تیاری میں وقت لگا۔'' سامنے آ کے پوری جھکی اور سیدھی ہوئی۔

سلطان مرسل نے پرندے کی بوٹی دانت سے توڑتے نظریں اٹھائیں تو ٹھٹھک گیا۔ وہ سجی سنوری لڑکی اب باقی سب کو باری باری تعظیم پیش کر رہی تھی۔ مرسل شاہ کی نظر اس سے ہٹنا بھول گئی۔

ملاکہ میں سنہرے بالوں والی عورت اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ وہ بھی اتنی حسین۔

''آپ کی آمد ہمارے لئے فخر کا باعث ہے شاہزادی۔'' ابوالخیر اٹھا اور سر کو تعظیم سے جھکایا۔ خادم نے سلطان کی سیدھ میں پڑی' میز کی دوسری سربراہی کرسی اس کے لئے کھینچی۔ وہ مسکرا کے لباس پھول کی طرح گرد پھیلاتی اس پہ بیٹھی تو سلطان ہنوز اسے تک رہا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی مدعو ہیں' شہزادی!'' ملکہ بظاہر مسکرا کے بولی تو راجہ مراد ہلکا سا کھنکھارا۔

''ابوالخیر نے بمع اہل و عیال مدعو کیا تھا' اور تاشہ ہی میرا پورا خاندان ہے۔'' کہہ کے وہ گھونٹ گھونٹ قہوہ پینے لگا۔

''آپ کی بہن کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔'' سلطان مرسل نے زبان کھولی۔ پھر مدد طلب نظروں سے بائیں ہاتھ بیٹھی بیوی کو دیکھا۔ ''تالیہ'' اس نے سرگوشی کی۔ سلطان نے فقرہ دہرایا۔ ''آپ کی بہن تالیہ کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔ کیا اس کی کوئی خیر خبر ملی؟''

صراحی میز پہ رکھ کے فاتح قدم قدم پیچھے ہٹا اور ابوالخیر اور مراد کی کرسیوں کے عقب میں جا کھڑا ہوا تھا۔ اس سوال پہ اس نے بھی تالیہ کی طرف نگاہیں موڑ دیں۔

''آپ کا شکریہ' آقا۔'' اس کے چہرے پہ اداسی پھیلی۔ ''تالیہ ایسی کھوئی ہے کہ نہ جانے اب واپس آ سکے گی بھی یا نہیں۔ خدا معلوم کیسے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ برے برے خیال آتے ہیں مجھے۔ جیسے وہ کسی قید میں ہے اور بے بس ہے۔''

مراد نے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا' پھر خاموشی سے سلطان کو' جس نے افسوس سے سر ہلا دیا تھا۔

''خدا تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان کریں۔'' پھر ذرا کھنکھارا اور ٹوکری سے ایک پھل نکال کے اس میں دانت گاڑھے۔

(ملکہ اب غیر آرام دہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ وہ بار بار ناگواری سے تالیہ کو دیکھتی تھی جو کھانا شروع کر چکی تھی۔)

''چین کے کس شہر میں اتنے برس گزارے ہیں آپ نے؟''

''دارالحکومت میں کچھ عرصہ رہی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔ ''مگر اس سے زیادہ وقت ایک چھوٹے سے گاؤں میں گزارا ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور ہے مگر میں اس کو والا لمپور کہتی تھی۔''

ہاتھ باندھے کھڑے فاتح نے ابرو اکٹھے کر کے تادیبی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ سوپ میں چمچ ہلاتی' سلطان کو دیکھ کے سادگی سے بتا رہی تھی۔ ''کوالا لمپور۔ یعنی گدلے پانیوں کا سنگم۔''

''واہ۔ اور کیسا تھا آپ کا کوالا لمپور؟'' وہ پھل کا ٹکڑا چباتے ہوئے محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے ایک نظر چھت اور اطراف پہ ڈالی۔

''اس دنیا سے بہت مختلف۔ ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر۔ جہاں ہر قسم کا عیش میسر تھا' مگر لوگ خالص نہیں تھے۔ وہ لالچ' اور طاقت کی ہوس کا شکار تھے۔

''وہاں کچھ لوگ بھیس بدل کے دوسروں کی قیمتی چیزیں چرا لیتے تھے۔ رات کی تاریکی میں نقب لگا جاتے تھے۔ اور کچھ....'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''کچھ دن دہاڑے' بھیس بدلے بغیر سیاست کے نام پہ لوگوں سے ان کا اعتماد مانگتے' اور پھر حکومت کے بہانے خراج کے پیسوں کو بے نامی جائیدادوں میں چھپا دیتے ہیں۔ کھلم کھلا چوری۔

''وہاں ایسے ایسے ملازم بھی تھے جو ایک شخص کی چاکری کرتے مگر تنخواہ کسی اور سے لیتے....'' (فاتح بس اس کو دیکھ رہا تھا۔ باقی سب بھی سن رہے تھے اور وہ بولے جا رہی تھی۔)

''وہاں ایسی طاقتور بیویاں بھی تھیں جو میٹھے بولوں سے دوسروں سے فائدے حاصل کرتیں اور پھر مکھی کی طرح ان کو نکال باہر کرتیں۔ (یان سوفو نے پہلو بدلا)

''وہاں ایسے بدعنوان عہدیدار بھی تھے جو عوام کے خراج کے پیسوں سے ڈھیروں جائیدادیں اور اونچے قلعے نما گھر بنا لیتے تھے۔ (ابوالخیر داڑھی کو نوچتے ہوئے سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

''وہاں ایسے حکمران بھی تھے جو اپنی ناک تک پونچھ نہیں سکتے تھے مگر ان کو حکومت کے لئے ان کے ماں یا باپ کی گدی پہ بٹھا دیا جاتا تھا۔

(وانگ لی نے فوراً سے سلطان کی طرف دیکھا مگر یہ باتیں اس بگڑے بادشاہ کی عقل سے اوپر کی تھیں۔)

"وہاں لوگوں کو خراج' اور سودی معاشی نظام کے ذریعے ان دیکھی زنجیروں میں باندھا جاتا تھا۔ قوموں کی قومیں قرضے دے دے کے غلام بنالی جاتی تھیں۔ دن رات وہ غلام قومیں مشقت کرتی تھیں مگران کی زنجیریں ان کو بھاگنے دوڑنے تک نہیں دیتی تھیں اور وہ اپنے حقوق سے بے خبر کام کرتے رہتے تھے۔

"کوالا لمپور' ملاکہ سے بہت مختلف تھا میرے آقا۔ وہاں عوام کے خراج کا پیسہ چوری کیا جارہا تھا مگر عوام کو خبر ہی نہ تھی۔ مگر وہاں بھی ایک آدمی ایسا تھا جس سے مجھے امید تھی کہ وہ سب سے مختلف ہے۔"

اس نے نظریں موڑ دیں اور راجہ مراد کو دیکھا۔ وان فاتح اس کے پیچھے کھڑا تھا' مگر وہ مراد کو دیکھتی رہی۔ سب کی نگاہیں مراد کی طرف مڑیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہی ایک ایسا شخص ہے جو ملاکہ کے لوگوں کے مسائل حل کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بیٹی کو کھونے کا دکھ سہا ہے۔"

مراد ہلکا سا مسکرایا' اور سر قدرے جھکا لیا۔ تالیہ نے نظریں ذرا اوپر اٹھائیں۔ فاتح اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ ملی۔ کیا نہ تھا ان نگاہوں میں۔

"وہ ایسا شخص ہے جو سیاست اور حکومت کے فن سے آشناء ہے۔ ایک وہی ہے جو مجھے لگتا تھا کہ اگر میرے ملک کا سب سے طاقتور عہدہ سنبھال لے....وزیرِاعظم بن جائے....یعنی کہ بنداہارا....تو میرے ملک کے اکثر مسائل حل ہوجائیں گے۔" اس نے نظریں سلطان کی طرف موڑیں۔ "اسی لئے میں واپس آئی ہوں تاکہ اس کو مضبوط کرسکوں۔ ان کی مدد کروں۔ ان کا دایاں بازو بن جاؤں۔ اور میں وہ سب کام کروں جس کے باعث وہ مجھ پہ فخر کریں۔" پھر گردن فخر سے بلند کی۔ "میں تاشہ بنتِ مراد ہوں۔ میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے اردگرد موجود مرد مجھے کوئی بے مصرف خوبصورت عورت سمجھ کے نظرانداز نہ کردیں۔"

(بورنگ پریٹی وومن) کرسی کے پیچھے کھڑا غلام مسکرایا تھا۔

تالیہ اب کھانا نکالنے لگی۔ سلطان جو سحرزدہ سا پھل کھانا بھول گیا تھا' آخر میں اثبات میں سر ہلانے لگا اور دوبارہ سے پھل اٹھا لیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد راجہ مراد کھنکھارا۔

"آقا...شہزادی تاشہ اپنا تعارف کرواچکی ہیں۔ اس لیے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں' وزیرِخزانہ کے لئے ابوالخیر سے بہتر نام کسی کا نہیں ہوسکتا۔ یہ میری ایک تجویز ہے۔"

یان سوفو نے اتنی گہری سانس بھری کہ وہ سب اسے دیکھنے لگے۔ وہ دانت پہ دانت جما کے مسکرائی۔ "آقا...مراد راجہ کی ذہانت اور وفاداری پہ کوئی شک کر بھی نہیں سکتا۔ ان کا تجویز کردہ نام بہت مناسب ہوگا میں جانتی ہوں۔ لیکن ابوالخیر کے لئے اس عہدے سے زیادہ بہتر کام ہیں جہاں ان کی قابلیت کو ہم استعمال کرسکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس عہدے کو اگر سن باؤ کے حوالے کردیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

''سن باؤ ملے نہیں ہیں ایک چینی باشندے ہیں۔ معذرت کے ساتھ۔'' راجہ مراد نے فوراً ہاتھ اٹھا کے ملکہ کو ٹوکا۔ ''سن باؤ چینی حکومت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کے اوپر بھی اگر ہم اپنے کاموں کی ذمے داری ڈال دیں تو ہمارے دوست ملک چین کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔ ہمیں سن باؤ کو ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہیے۔''

اپنے ذکر پہ سن باؤ نے سر جھکا دیا تھا۔ ابوالخیر البتہ دلچسپی سے داڑھی کے بال نوچتا دونوں اطراف کے دلائل سن رہا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔'' مرسل شاہ نے میز پہ ہاتھ مارا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایک موم بتی نیچے گر گئی۔ فاتح فوراً آگے بڑھا اور موم بتی اٹھا کے سیدھی کھڑی کی۔ پھر واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

''شہزادی تاشہ کا کیا خیال ہے' اس عہدے کا اہل کون ہونا چاہیے۔''

سلطان کے الفاظ تھے' یا کیا۔ راجہ مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ملکہ کا رنگ اڑا۔ ابوالخیر نے برہمی سے بھنویں بھینچیں اور سن باؤ نے حیرت سے پہلے سلطان اور پھر تالیہ کو دیکھا۔

تالیہ نے رومال سے نزاکت سے لب تھپتھپائے اور پلکیں اٹھائیں۔ پھر مسکرا کے نرمی سے بولی۔

''آقا' مجھے اپنا خیال ظاہر کرنا ہے' تجویز پیش کرنی ہے یا مشورہ دینا ہے۔''

''مشورہ!'' مرسل نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

''اچھا مشورہ اگلے ہی لمحے نہیں دیا جا سکتا' آقا۔ آپ کے سامنے دو نام ہیں۔ ابوالخیر اور سن باؤ وانگ لی۔ مجھے ان دونوں شخصیات کا مطالعہ کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ اگر آقا مجھے صبح تک کا وقت دے دیں تو میں کل محل میں حاضر ہو کے خود آقا کو اپنا مشورہ سنا دوں گی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کی اپنی صوابدید پہ منحصر ہوگا۔ ایسے ٹھیک ہے نا' ملکہ!''

سادگی سے پلکیں جھپکا کے یان سوفو کو دیکھا۔ وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔ مگر جبراً مسکرائی۔ ''ہاں' یہ مناسب رہے گا۔''

''بالکل۔ کل صبح آپ مشاورت کے لئے تشریف لے آئیے گا شہزادی۔'' مرسل شاہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ملکہ نے غیر آرام دہ پہلو بدلا۔

ابوالخیر نے خشمگیں نگاہوں سے مراد کو گھورا جس نے جواب میں ''دھیرج'' کا اشارہ کیا اور تالیہ کو دیکھا۔ مگر سنہرے بالوں والی شہزادی شاہی آداب کا خیال رکھے پوری توجہ سے قہوے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

وان فاتح ہاتھ باندھے کھڑا مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بنگا رایا ملایو کے پہلے باب میں یہی لکھا تھا۔ مگر آگے.... آگے کیا ہوگا؟ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

☆......☆......☆

رات مزید سیاہ ہوئی تو ابوالخیر کی حویلی سے چلتے قافلے بنداہارا کے محل کے اندر پڑاؤ ڈالتے دکھائی دینے لگے۔محل کے باہر بگھی رکی اور خادم نے دروازہ کھولا تو تالیہ پائے دان پہ پیر رکھتی' ایک شان سے نیچے اتری۔لباس پہلوؤں سے اٹھایا اور قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ....گھوڑے کے تیز ٹاپ قریب آتے سنائی دیے۔

وہ رک کے دیکھنے لگی۔

مراد راجہ اپنا سیاہ چمک دار گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔وہ کھڑی رہی' یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آیا اور گھوڑا روک لیا۔پھر ہاتھ سے اشارہ کیا تو تمام غلام اور کنیزیں دور ہٹتے چلے گئے۔

''اچھا لگا تمہارا آنا۔تمہاری باتیں بھی اچھی لگیں۔سلطان بھی کافی متاثر ہوئے تم سے۔'' گھوڑے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے نظریں جھکا کے نیچے کھڑی تالیہ کو دیکھا۔وہ مسکرا دی۔دونوں محل کی عمارت کے باہر کھڑے تھے۔

''سلطان؟ کون سلطان؟ وہ بچہ جس کو تخت پہ بٹھا دیا گیا ہے' اور جو کھانے پینے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے بعد فارغ اوقات میں آپ کے حکم کے مطابق شاہی حکم ناموں پہ مہر لگا دیتا ہے؟ وہ سلطان؟''

''وہ ہمارے آقا ہیں' تاشہ!'' مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آواز میں گرج پیدا کی۔تالیہ گردن اٹھائے' اس کو دیکھتی رہی۔چند ثانیے کو قدیم ملاکہ کے اس محل کے سبزہ زار پہ خاموشی چھا گئی۔آسمان پہ دمکتا چاند اور بادل بھی ٹھہر کے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔

''Cesium-137''

مراد کے ابرو نا سمجھی اور کوفت سے بھنچے۔''کیا؟''

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا راجہ' کہ تمہاری اور ہماری دنیا میں کیا فرق ہے۔صرف Cesium-137 کا فرق ہے۔(سر اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور ناک سے سانس اندر کھینچی۔) ابھی یہ عنصر ہوا میں شامل نہیں ہوا مگر....(واپس چبھتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔) آج سے پانچ سو سال بعد جب ایٹم بم پھٹے گا' اور دوسری جنگِ عظیم ہو گی تو یہ اس دنیا کی فضا میں شامل ہو جائے گا۔کوالالمپور اور قدیم ملاکہ میں صرف Cesium-137 کا فرق ہے' ورنہ خدا کی قسم' دنیا تب بھی ایسی ہی ہو گی اور دنیا اب بھی ویسی ہی ہے۔''

وہ ایک دم اتنی نفرت سے بولی کہ مراد اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''وہی لالچ....وہی حکومت ملتے ہی اپنی پسند کے آدمی اعلیٰ عہدوں پہ لگانا...عوام کا خراج (ٹیکس) چوری کرنا...موروثی سیاست کرنا....باپ کی جگہ پہ بغیر کوئی کامیابی حاصل کیے بگڑے بیٹے کو بٹھا دینا...آپ بنداہارا نہیں ہیں' راجہ....آپ صرف....ایک...سیاستدان ہیں۔اور یہ مت سمجھیں کہ میں سیاستدانوں سے پہلی دفعہ مل رہی ہوں۔'' آخر میں استہزائیہ مسکرا کے سر جھٹکا تو گھوڑے پہ بیٹھا مراد نیچے اترا۔پیر رکاب سے آزاد کیے' گھوڑے کو تھپکا تو وہ ایک طرف بھاگ گیا' اور پھر وہ تالیہ کی طرف گھوما اور تحمل سے بولا۔

''ایسے ہی ہوتا ہے۔ طاقت ملتی ہے تو شروع شروع میں سب کے دماغ ایسے ہی اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ دھیرج' تاشہ۔ میرے ساتھ مل کے کام کرو۔ یان سوفو کے آدمی کو لگانے کا مطلب جانتی ہو؟ وہ سارا خزانہ لوٹ کے چین بھجوا دے گا۔ اگر تمہیں سلطان نے یہ طاقت دے ہی دی ہے کہ تم اس فیصلے میں ان کی معاونت کر سکو تو تمہیں وہ فیصلہ کرنا چاہیے جو اس ملک کے لئے اچھا ہو۔ ہم ایک چینی عورت سے سلطان کی شادی تو کروا سکتے ہیں مگر سارا ملک بیچ کے اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔''

تالیہ اس بات پہ مسکرا دی۔

''جیسا کہ میں نے کہا' میری دنیا اور آپ کی دنیا ایک سی ہے' راجہ۔ مگر ان دونوں دنیاؤں میں آج بھی بڑے مقاصد کے لئے جینے والے' نڈر اور اچھے لوگ موجود ہیں۔ یقین مانیے' آپ کی بیٹی اگر پہلے ان لوگوں میں سے نہیں تھی' تو اب ہو گی۔ اب میں سیدھ میں چلتی ہوں اور آپ کو راجہ کہہ کے پکارتی ہوں۔ آپ کو ایک اچھی بیٹی سے نہیں ڈرنا چاہیے' راجہ۔'' اس نے نرمی سے مسکرا کے باپ کی کہنی تھامی اور جیسے یقین دلایا۔

''اور ان دونوں دنیاؤں میں سارے برے حادثات اچھے لوگوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں' میری بیٹی۔''

وہ ہموار لہجے میں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اس کی کہنی تالیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔

''شریفہ۔'' اپنی خواب گاہ میں آتے ہی تالیہ نے کنیز کو اشارہ کیا تو وہ فوراً دروازہ بھیڑ کے چلی آئی۔

''جی شہزادی۔''

''آج رات تم بابا کے پاس جا کے ان کو یہ بتاؤ گی کہ میں ابوالخیر کے حق میں فیصلہ دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں میری باتوں سے یہی لگتا ہے' ٹھیک۔''

''لیکن شہزادی اگر آپ نے سن باؤ کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ مجھ پہ شک کریں گے۔'' وہ متامل ہوئی۔

''اپنے وزن سے زیادہ بھاری ضرب نہ لگاؤ' شریفہ۔ جو کہا ہے' وہ کرو۔''

اس نے کنیز پہ ایک برہم نظر ڈالی تو اس نے جلدی سے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس کا دماغ مسلسل تانے بانے بُن رہا تھا۔

☆......☆......☆

حویلی کے باورچی خانے کے باہر وہ ایک کھلی جگہ پہ بیٹھا تھا جہاں پانی کے ٹب بھرے رکھے تھے' اور وان فاتح دوسرے غلاموں کے ساتھ برتن دھو رہا تھا۔ غلام دبے لفظوں میں آج کے شاہی مہمانوں کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ جس نے جس کی جتنی جھلک دیکھی تھی' وہ اس کو بڑھا چڑھا کے بتا رہا تھا۔

''بنداہارا کی حسین بیٹی'' گفتگو کا مرکز تھی۔ وہ جاتے وقت ایک غلام کو موتیوں کی مالا دے گئی تھی اور ان موتیوں کی چمک باقی سب کی آنکھیں خیرہ اور دل مغموم کیے ہوئے تھی۔ فاتح مسکرا کے سر جھکائے برتن دھوتے سنے گیا۔

''جلدی اندر آؤ۔ تمہیں مہمان کے لئے شوربہ لے کر جانا ہے۔'' بوڑھا باورچی عجلت میں اس کے سر پہ آ کے بولا تو فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ گیلی چنگیر چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مہمان تو جا چکے ہیں۔''

''سن باؤ کو ابوالخیر نے شطرنج کی ایک بازی کے لئے روک لیا ہے۔ میں نے شوربہ تیار کر دیا ہے' تم لے جاؤ۔''

بوڑھا کچھ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا اور ہاتھ پونچھتا اندر آیا۔ سامنے لکڑی کی میز پہ سنہری طشتری رکھی تھی جس میں سنہرا پیالہ سوپ سے لبالب بھرا پڑا تھا۔ ساتھ میں سنہرا چمچ بھی رکھا تھا۔ یہ کھانا ہضم کرنے کا شوربہ تھا جو رات گئے پیا جاتا تھا۔

''کیا ہم اس پیالے میں پیش کریں گے؟ اور ان چاندی کے برتنوں کا کیا؟''

''جو کہا ہے وہی کرو۔ لے جاؤ اسے۔'' بوڑھے نے ہاتھ جھلا کے کہا۔ فاتح میز کے قریب آیا۔ سوپ میں سے بھاپ تھوڑی بہت نکل رہی تھی۔ وہ کافی دیر پہلے ڈالا گیا تھا۔ ابھی اس نے باورچی خانے میں ابوالخیر کی آواز سنی تھی۔ وہ باورچی سے کچھ کہنے آیا تھا۔ سوپ کا پیالہ بھی پیتل کا تھا۔ نہ کہ چاندی کا۔

طشتری اٹھاتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے چلنے لگا۔

بوڑھا باورچی اڑی رنگت کے ساتھ وہیں نیچے بیٹھ گیا اور سر جھکائے' آنکھیں میچ کے قرآنی آیات پڑھنے لگا۔ استغفار۔ توبہ۔ گلٹ۔ وان فاتح کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے آہستہ سے قدم آگے بڑھا دیے مگر ذہن اسی پیتل کے پیالے پہ اٹک گیا تھا۔

کیا ابوالخیر' سن باؤ کو زہر دینے جا رہا تھا؟

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ مگر اب وہ رک نہیں سکتا تھا۔ وہ غلام تھا۔ اسے آگے جانا تھا۔

(اس زمانے میں عموماً arsenic بطور زہر استعمال ہوتا تھا۔ چاندی کے برتن میں آرسینک ملا کھانا اگر ڈالا جائے تو برتن سیاہ پڑ جاتا تھا اور زہر کی تشخیص ہو جاتی تھی۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کے باعث بھی امراء اور اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے کیونکہ چاندی جراثیموں کو بھی مار دیتی تھی اور زہر کے بارے میں خبردار بھی کر دیتی تھی۔)

دیوان خانے میں شام والی جگہ پہ اسٹول کے اردگرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ مگر اب پہلے جیسی شگفتگی ان کے مزاجوں میں نہ تھی۔ ابوالخیر خاموشی سے سن باؤ کا جائزہ لے رہا تھا جو منہ پہ دو انگلیاں رکھے غور سے بساط کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ ابوالخیر نے فاتح کو آتے دیکھا تو سر کو خم دیا۔ (ادھر رکھ دو۔)

چند گز کا فاصلہ میلوں کا ہو گیا تھا۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا قریب آیا اور جھک کے اسٹول پہ طشت رکھا' ایسے کہ اس کی پشت ابوالخیر کی طرف تھی اور چہرہ سن باؤ کی طرف۔ سن باؤ نے شطرنج سے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

فاتح نے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھوں کو پہلے پیالے پہ جھکایا.... پھر سن باؤ کو دیکھا....اور ہونٹوں کو ''نو'' میں گول کر کے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ (نہیں۔)

سن باؤ چونکا۔

فاتح نے نظریں جھکا دیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سن باؤ بظاہر شطرنج کو دیکھنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا تھا۔

لمحے بھر کا کھیل جیسے برسوں کا احسان چڑھا گیا۔

فاتح رامزل خاموشی سے چلا آیا۔ دروازے کے باہر رک کے اس نے اوٹ سے دیکھا۔

سن باؤ اب مہرہ اٹھا کے چال چل رہا تھا۔ بظاہر بے دھیانی میں مخالف پیادہ مار کے اس نے گوٹ کو اسٹول پہ رکھنا چاہا تو پیالے کو ہاتھ لگا۔ نازک پیالہ کنارے پہ رکھا تھا' فوراً لڑھک گیا۔ سارا سوپ نیچے چھلک گیا۔ ابوالخیر جہاں دھک سے رہ گیا' وہیں سن باؤ پریشانی سے کھڑا ہو گیا۔

فاتح نے سکون کا سانس لیا۔ ابوالخیر غلاموں کو پکار رہا تھا۔ وہ فوراً کپڑا لئے اندر لپکا۔ اسٹول کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے' اس نے فرش صاف کیا اور اوندھے پڑے پیالے کو طشت میں رکھا۔

''تازہ شوربہ لاؤ۔ جلدی۔'' ابوالخیر نے برہمی سے حکم دیا مگر سن باؤ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے' میں اب چلتا ہوں۔ کافی تھک گیا ہوں۔'' وہ اٹھ کے شائستگی سے معذرت کرنے لگا۔ ابوالخیر جبراً مسکرا کے کھڑا ہوا اور اس سے مصافحہ کیا۔

''میں معذرت خواہ ہوں' وانگ لی۔ اس غلام نے ٹھیک سے پیالہ رکھا نہیں تھا۔ اگر تم ذرا دیر بیٹھ جاتے تو....''

''نہیں میری اپنی غلطی ہے۔ مجھے چال چلتے ہوئے احساس نہیں ہوتا کہ میرے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے سادگی سے کہہ کے ابوالخیر سے ہاتھ ملایا۔ فاتح خاموشی سے سر جھکائے طشت اٹھائے کھڑا ہو گیا۔

جس وقت وانگ لی باہر اپنے گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا' فاتح باورچی خانے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو سامنے صحن میں کھلتا تھا۔ سن باؤ وانگ لی نے رکاب میں پیر ڈالتے ایک نظر دور کھڑے' سینے پہ بازو لپیٹے نظر آتے غلام کو دیکھا' اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ تشکر۔ احسان مندی۔ ممنونیت۔ کیا تھا جو اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔

فاتح نے محض آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ مثبت اشارہ.... چہرے کو سپاٹ رکھا۔ وانگ لی گھوڑے پہ سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا دی

۔وہ اس کے قدموں کی دھول کو کافی دیر تک دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

سلطان مرسل شاہ کا ''سلطنت محل'' بالکل ویسا تھا جیسا آج کے ملاکہ میں تھا۔فرق یہ تھا کہ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے جب ملاکہ پہ قبضہ کیا اور مسلمان سلطنت کا خاتمہ کیا تو بہت سی دوسری چیزوں اور عمارتوں کے ساتھ اس محل کو بھی جلا ڈالا۔اب ملائیشیاء میں کچھ سال پہلے پرانی کتابوں' نقشوں اور تاریخی اوراق سے محل کا نقشہ اور پینٹنگز ڈھونڈ کے اکٹھی کی گئیں اوران کو سامنے رکھ کے ہو بہو ویسا ہی محل تعمیر کیا گیا جو کہ اب ایک میوزیم ہے۔

ملکہ یان سوفو بیدار ہونے کے بعد آج عجلت میں تیار ہوئی تھی۔رات سلطان اس سے بات کیے بغیر ہی اپنی آرام گاہ میں چلا گیا تھا۔سلطان کا حصہ الگ تھا' اور محل کا حرم الگ۔ملکہ حرم کی نگران تھی۔وہ حرم میں رہتی تھی۔مگر آج صبح وہ وقت سے پہلے تیار ہو کے حرم سے باہر نکل آئی اور اپنی کنیزوں کی معیت میں محل کے مرکزی حصے تک آئی۔درمیان میں وسیع وعریض لان پھیلا تھا۔

وہ سنگھار زدہ چہرے پہ پریشانی طاری کیے دربار کی طرف جا ہی رہی تھی کہ دیکھا...سامنے راہداری میں راجہ مراد چلتا آرہا ہے۔اس کا رخ بھی دربار کی طرف تھا۔یان سوفو کے ماتھے پہ بل پڑے۔لب بھینچ کے تیزی سے آگے آئی اور دربار کے دروازے پہ راجہ کا راستہ روک دیا۔

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے سنجیدہ صورت بنائے چلتا جا رہا تھا' چونک کے رکا' پھر اسے دیکھا تو سر پورا جھکا کے اٹھایا۔''ملکہ!''

''صبح ہی صبح آقا سے ملنے جا رہے ہیں آپ' راجہ؟''

مراد دھیرے سے مسکرایا۔''میں تہجد پڑھتے ساتھ ہی الور سونگائی چلا گیا تھا' وہاں سے واپسی پہ اپنے محل جانے کی بجائے سیدھا ادھر آگیا۔آقا کو میری ضرورت ہوگی۔''

''یا شاید آپ جلد از جلد آقا سے مل کے ان کے فیصلے پہ اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی۔''مگر آپ کو اس کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔کیونکہ میں پہلے آقا کے پاس جا رہی ہوں۔''

''جیسا آپ کا حکم' ملکہ!'' اس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مراد نے سر جھکا کے اٹھایا۔یان سوفو مسکرا کے آگے بڑھی اور دربار کے دروازوں کے سامنے کھڑے پہریداروں کو حکم دیا۔

''آقا کو خبر کرو۔''

''معذرت ملکہ مگر آقا مصروف ہیں۔''

جہاں یان سوفو ٹھٹکی' وہیں پیچھے کھڑے مراد نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔

''ابھی تو درباری اور وزراء بھی تشریف نہیں لائے تو پھر آقا کس کے ساتھ مصروف ہیں؟''

''شہزادی تاشہ آئی ہوئی ہیں' ملکہ۔ آقا نے کہا ہے کہ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔''

یان سوفو کا چہرہ خفت اور غضب سے سرخ پڑنے لگا' مگر وہ پیچھے مڑ کے مراد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

اندر دربار مستطیل سا تھا۔ دونوں اطراف اونچی شاہی کرسیوں کی قطاریں لگی تھیں جو خالی تھیں۔ آخر میں چبوترے پہ بڑا سا شاہی تخت رکھا تھا۔ تخت پہ مرسل اپنی پوشاک پھیلائے بیٹھا تھا۔ ٹوپی اور تاج سر پہ تھا اور وہ دلجمعی سے اپنے سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھ رہا تھا جو رات کی طرح بناؤ سنگھار سے لیس تھی۔ مگر آج لباس سفید اور ہلکا زرد تھا۔ اور بال گھنگریالے کر کے کندھے پہ آگے کو ڈال رکھے تھے۔ مودب سی سامنے کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کو چناؤ خود کرنا ہے' آقا۔ میرا بہترین مشورہ تو یہ ہے کہ آپ یہ فیصلہ کسی دوسرے کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ خود لیں۔''

''آپ بیٹھ جائیے' شہزادی۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔

''آقا!'' وہ مسکرائی۔ ''یہ ملکہ کی جگہ ہے اور یہاں بیٹھنا شاہی آداب کے خلاف ہے۔ مجھے معاف کیجئے' میں کھڑی ٹھیک ہوں۔''

''پھر آپ ہی بتائیے' مجھے کس کا انتخاب کرنا چاہیے۔''

مرسل نے گہری سانس لی۔ وہ آگے ہو کے بیٹھا تھا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

''وانگ لی بہت ایماندار اور اچھا آدمی ہے' وہ پوری دنیا گھوما ہے' ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا تجربہ رکھتا ہے۔ وہ ابھی ایک لمبا عرصہ ملاکہ میں رہے گا۔ جبکہ ابوالخیر کو تجارت اور حساب کتاب کا بہت تجربہ ہے۔ اس کے ملاکہ میں ہر اونچے شملے والے سے تعلقات ہیں اور وہ بہت ذہین بھی ہے۔''

''یعنی دونوں ہی اچھے ہیں مگر دونوں کو تو نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی ایک کو منتخب کرنا ہوگا۔''

''آقا۔ بات یہ ہے کہ وانگ لی کبھی نہ کبھی چین چلا جائے گا' اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی ایسے آدمی کو رکھیں جو ملاکہ میں ہی رہے' اور جس کی قبر بھی اسی ملک میں بنی ہوتا کہ ہمیں اس کی وفاداری پہ شک کرنے کا جواز ہی نہ ملے....'' وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھی۔ ''فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے.... جیسے آپ چاہیں' جو آپ بہتر سمجھیں مگر میری رائے میں....''

دربار کے دروازے کھلے تو باہر کھڑی ملکہ اور مراد تیزی سے اس طرف گھومے۔ چند وزراء اور درباری جو پہنچ چکے تھے' وہ بھی فوراً سیدھے ہوئے۔

مرسل شاہ اور تالیہ ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔ مرسل نے ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور گردن کڑا کے چل رہا تھا جبکہ تالیہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے مسکراتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔ ملکہ کو دیکھ کے فوراً جھکی۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی زحمت بھی نہ کی۔ گھور کے مرسل کو دیکھا مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''بنداہارا۔'' مرسل نے اٹھی گردن کے ساتھ حکم جاری کیا۔ ''تم وزیرِ خزانہ کی تعیناتی چاہتے تھے نا۔''

مراد نے ''جی آقا'' کہتے ہوئے ایک بے چین نظر تالیہ پہ ڈالی۔

''سرکاری دستاویزات بنوا کے لے آؤ۔ میں ابوالخیر کو ملاکہ کا نیا وزیرِ خزانہ مقرر کرتا ہوں۔''

جہاں مراد کے لبوں سے ایک تھکی ہوئی سانس نکلی، وہیں یان سوفو کی آنکھیں بے یقینی اور غصے سے پھیلیں۔

''مگر آقا.....'' وہ منمنائی۔

تالیہ اور مراد نے فاتحانہ مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔

''شہزادی تاشہ آج سے دربار کا حصہ ہوں گی۔ میری خاص مشیر کے طور پہ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو جلد از جلد ان کی 'کرسی' (زور دیا) اور قلمبندان مہیا کر دیا جائے۔''

مراد نے مسکرا کے سر جھکایا۔ ''جو حکم آقا۔ میں ابھی بندوبست کر دیتا ہوں۔''

سامنے برآمدے میں کھڑے وزراء اور درباریوں نے مسکرا کے مبارک سلامت کی آوازیں بلند کیں۔ تالیہ نے مسکرا کے سر جھکا کے مبارکباد قبول کی پھر مرسل شاہ کی طرف دیکھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک عرض کروں، آقا؟''

یان سوفو تندہی سے اسے گھور رہی تھی مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مرسل مسکرا کے حوصلہ افزائی سے بولا۔ ''کہیے شہزادی۔'' اس کی گردن آج پہلے سے زیادہ اٹھی ہوئی تھی۔

''میں شاہی مشیر کے طور پہ اپنا پہلا حکم جاری کرنا چاہتی ہوں۔''

مراد کی مسکراہٹ سمٹی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ واضح الجھا ہوا نظر آتا تھا۔

''بالکل۔ جو آپ مناسب سمجھتی ہیں، کہیے۔''

تالیہ نے چہرہ برآمدے میں کھڑے درباریوں اور وزراء کی طرف موڑا۔ وہ سب قیمتی پوشاک اوڑھے، خوبصورت پتھروں سے مزین ٹوپیاں پہنے کھڑے معزز افراد تھے۔ اس کی نگاہیں ان کے درمیان کھڑے ایک بوڑھے شخص پہ رکیں جو ہاتھ میں کاغذوں کا دستہ اٹھائے ہوئے تھا۔

''سیرل بن مرلی صاحب۔ آپ شاہی مورخ ہیں اور ملاکہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔''

اس کا پکارنا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سیرل اچنبھے سے آگے آیا۔

''جی شہزادی۔'' جہاں وہ حیران تھا' وہاں ہلکا سا خوفزدہ بھی۔ حکومت ملتے ہی یہاں سب طاقت کے اظہار کے پہلے قدم کے طور پہ کسی کی گردن مار دیتے تھے۔

''کیا آپ نے قدیم مصر پہ لکھی کتابیں پڑھی ہیں؟''

''آ...نہیں شہزادی....مگر....''

''اور آپ قدیم یونان کی تمام جنگوں کی تاریخوں سے واقف ہیں؟''

''نہیں مگر....''

''اور آپ کو ہندوستان کے شاہی خاندان کا چودہ نسلوں تک کا شجرہ زبانی یاد ہے؟''

''نہیں' لیکن...''

''آپ کو آپ کی شاہی ملازمت سے برخاست کیا جاتا ہے' سیرل۔ آج سے آپ آزاد ہیں۔''

وہاں ٹھنڈی خاموشی چھا گئی تو وہ گہری سانس لے کر بولی۔'' بے فکر رہیے۔ میں آپ کی گردن مار دینے کا حکم نہیں جاری کروں گی۔ تاشہ کو اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے لئے کسی کا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تاشہ کے پاس....'' انگلی سے دماغ پہ دستک دی۔'' یہ ہے۔''

پھر ذرا سا مسکرائی۔'' آپ آزاد ہیں۔ میں شاہی سپاہیوں کو حکم جاری کرتی ہوں کہ عزت و اکرام سے آپ کو اس محل سے رخصت کر دیں۔ آپ شہر چلے جائیے اور کوئی نیا کام ڈھونڈیے۔''

یان سوفو تن فن کرتی آگے آئی۔'' کیا کسی کو نوکری سے اس لئے برخاست کر دینا درست ہے کہ اس کو یونان کی تاریخ نہیں معلوم؟''

''آپ کو معلوم ہے' ملکہ؟'' وہ اسی روانی سے بولی تو یان سوفو کا سانس اٹک گیا۔ چہرہ توہین سے سرخ ہوا۔ چند عزیزین' یہاں تک کہ مراد نے بھی تادیبی نظروں سے تالیہ کو گھورا مگر وہ مرسل شاہ کی طرف متوجہ تھی۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو آقا کے پاس صرف مسائل لے کر آتے ہیں۔ میں مسائل کا حل لے کر بھی آتی ہوں۔ پچھلے دنوں میں نے اپنے کتب خانے میں ایک ایسے نوجوان خادم کو پایا ہے جو کتابیں پڑھنے اور لکھنے سے شغف رکھتا ہے۔ وہ بنگارایا ملایو نامی ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ میں اس کی تحریر سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اسے شاہی مورخ مقرر کر دیا جائے اور پھر جو تاریخ وہ لکھے' آقا کی شان میں جو قصیدے اس کے قلم سے تحریر ہوں' وہ صدیوں تک سلطنتِ ملاکہ کے لوگوں کو زبانی یاد رہیں۔ وہ اپنے کام میں اتنا ماہر ہے آقا' کہ مجھے یقین ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لکھے الفاظ کو قیامت تک کے لئے امر کر دے گا اور ایک وقت آئے گا جب ملاکہ کے بچے مدرسوں میں نصاب کے طور پہ ہمارے آقا کے قصے پڑھ کے بڑے ہوں گے۔ آقا کے ذکر کے بغیر کسی شخص کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکے گی۔

اگر آپ اجازت دیں' تو میں اس کو شاہی مورخ مقرر کر دوں' آقا۔'' وہ جتنی نرمی اور ادب سے کہہ رہی تھی' وہاں کھڑا ہر شخص محو ہو کے سن رہا تھا۔

''اس کا تعارف سن کے اچھا لگا مجھے۔ اس کو بلاؤ اور مورخ کا قلمبندان اس کے حوالے کر دو' مراد۔'' راجہ کو حکم جاری کرنے کے بعد تالیہ سے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔''ویسے نام کیا ہے اس کا؟''

تالیہ طمانیت سے مسکرائی۔

''آدم۔ آدم بن محمد۔''

☆......☆......☆

دربار برخاست ہوتے ہی یان سوفو تن فن کرتی اپنے کمرے میں واپس آئی تھی۔ تمام غلاموں کو اس نے باہر بھیج دیا اور ایک چینی عہدیدار کو اپنے پاس بلایا۔

جب وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کے قریب آئی اور چبا چبا کے کہنے لگی۔

''شہزادی تاشہ خود کو راجہ مراد کی بیٹی.... اس کی کسی چینی بیوی کی اولاد کہتی ہے۔ جس شہر کا نام اس نے بتایا تھا' تم ابھی چین جاؤ اور اس شہر کا دورہ کرو۔ ایک ایک شخص سے مراد کی بیٹی تاشہ کے متعلق پوچھو۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کون ہے۔ کیا یہ واقعی شہزادی ہے' یا کوئی کرائے کی عورت جسے مراد نے میرے خلاف تیار کر کے مرسل کے پاس بھیجا ہے۔''

وہ دانت پیس کے کہہ رہی تھی اور اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''اصطبل سے تازہ دم گھوڑا لو' سفر کا سامان باندھو اور ابھی فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

وفادار چینی عہدیدار نے فوراً سر جھکایا۔''جو حکم ملکہ۔'' اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

ادھر ابوالخیر کے باورچی خانے میں کھڑے چاول صاف کرتے فاتح نے سر اٹھا کے ایک دم بوڑھے باورچی کو مخاطب کیا۔

''آج کیا تاریخ ہے؟''

بوڑھا جو مصروف انداز میں سبزے کے پتے نکال رہا تھا' تاریخ بتا کے سرسری سا پوچھنے لگا۔''کیوں؟ آج کے دن کیا ہونا ہے؟''

فاتح سوگواریت سے مسکرایا۔''آج کے دن شہزادی تاشہ نے آدم بن محمد کو شاہی مورخ مقرر کیا تھا۔ وہ آدم بن محمد جس نے بنگا رایا ملایو نامی کتاب لکھی تھی جو چھ سو سال بعد بھی نصاب میں پڑھائی جاتی رہے گی۔ آدم بن محمد۔'' دل میں سوچ کے وہ مسکرایا اور سر جھٹکتے ہوئے چاولوں پہ جھک گیا۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل میں شہزادی تاشہ کے کمرے کے پردے ہٹے تھے اور دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ سلطنت محل سے واپس پہ وہ سیدھی کمرے میں آ گئی تھی اور بستر کنارے پہ بیٹھی مسکرا کے ایڈم کا متوقع ردِعمل سوچ رہی تھی جو اپنے مورخ بن جانے کی خبر سن کے دینے

والا تھا۔ اسے بار بار ہنسی آ رہی تھی مگر کنیزوں کی موجودگی کے باعث وہ اسے دبائے ہوئے تھی۔

کنیزیں اور غلام اس سامان کو اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے جو مرسل شاہ نے تاشہ کے گھر جاتے ہی بھجوایا تھا۔ خالص ریشم' شہد' موتیوں کی مالائیں....اور....تالیہ نے وہ مخملیں ڈبی کھولی....ایک قیمتی انگوٹھی۔

اس پہ آنسو شکل کا سرخ یاقوت جڑا تھا اور ننھے ہیرے آنسو کے کناروں پہ لگے تھے۔ وہ اتنی خوبصورت اور سحر انگیز تھی کہ چند لمحے کے لئے وہ بھی شل رہ گئی۔ پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے انگوٹھی نکالی اور انگلی میں پہنی۔

اگلے ہی لمحے آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔

ایک خواب....

رات کا سیاہ آسمان تھا....چاند چمک رہا تھا.... پہاڑی کا راستہ دشوار گزار اور پتھریلا تھا....اونچا نیچا....اور وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے....تالیہ آگے تھی....ایڈم پیچھے تھا....لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا....بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔ تالیہ کے ہاتھ میں وہی سرخ یاقوت والی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

''چے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!''

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟''

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔

''کیسے؟'' وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تا کہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔''

''اور وان فاتح؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر تصویر دھندلی پڑتی گئی.....

وہ چونکی۔ خواب ٹوٹا۔ اس نے بے یقینی سے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھا۔ یہی انگوٹھی اس نے خواب میں بھی پہن رکھی تھی۔

وہ سمجھی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اس دن ہو گئی تھی جس دن ایڈم اور وہ ملاکے سن باؤ کے گھر جا کے خزانے کو نکالنے کا سوچ رہے تھے۔

مگر نہیں۔ اس کے خواب ہو بہو مستقبل کا عکس ہوتے تھے۔

یعنی یہ منظر ابھی آنا تھا۔

یہ ''مستقبل'' تھا۔

یعنی....اس نے بے یقینی سے سوچا......خزانہ واقعی اپنا وجود رکھتا ہے۔

خزانہ 'ہے'۔

خزانہ 'واقعی' ہے۔

تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔

وہ چابی لے کر جب ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جائے گی تو وہ خالی ہاتھ نہیں جائے گی۔

خزانہ اس کا تھا۔صرف اس کا۔

اور وہ اسے لے کر ہی قدیم ملاکہ سے واپس جائے گی۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

باب نہم

جہاں ملتے ہیں تین چاند!

اس نے خواب میں دیکھا.....

گہری سیاہ رات ہے.....

آسمان پہ پورا چاند چمک رہا ہے.....

اور وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے....

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی ہیں....

مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھا رہی ہے....

چغے کی ٹوپی نے اس کا سر ڈھانپ رکھا ہے....

مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا ہے....

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہرتی ہے.....

سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا ہے....

وہ نظریں دائیں طرف موڑتی ہے.....

وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کی چوٹی خوب روشن ہے....

جیسے شیشے کی بنی ہو....

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آ رہا ہے.....

وہ ایک دم گھومتی ہے....

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک جاتی ہے.....

سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگتے ہیں۔

اور اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم جاتی ہیں.....

وہاں سیاہ زمین ہے.... بالکل سیاہ کانچ جیسی....

اور ایک چانداس زمین پہ چمک رہا ہے....

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔''

وہ چونک کے بڑبڑاتی ہے....

پھراس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے ہیں...

''یہاں.... ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔''

☆......☆......☆

تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔

چند لمحے وہ چت پڑی رہی ۔ پھرایک طرف ہاتھ مارا تا کہ ٹیبل لیمپ جلائے .... یا ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کرے .... یا موبائل اٹھاکے وقت دیکھے.....مگر.... پلنگ کے ساتھ تپائی پہ ایسا کچھ نہ رکھا تھا۔نہ موبائل' نہ ریموٹ۔

ذہن کو بیدار ہونے میں چند لمحے لگے اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ کوالالمپور میں نہیں تھی۔

وہ قدیم ملاکہ میں تھی۔

وہ سست روی سے اٹھی اور دیا سلائی سلگا کے چند موم بتیاں روشن کیں۔کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا اور سارا محل خاموش پڑا تھا۔تالیہ نے کھڑکی کے پردے ہٹا کے جھانکا تو آسمان پہ باریک کمان سا چاند جگمگا رہا تھا۔

''جہاں تین چاند ملتے ہیں۔'' چاند کو تکتے ہوئے بےخودی سے دہرایا۔''کیسی عجیب سی جگہ تھی وہ....''

پھر چونک کے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔انگلی میں سرخ یاقوت اور ہیروں والی آنسو شکل انگوٹھی ہنوز موجود تھی۔کیسا عجیب سا آنسو تھا وہ۔

دل کے رنگ جیسا۔

خون کے رنگ جیسا۔

ایک دم جیسے کوئی یاد آیا۔

اس نے میز سے گھڑی اٹھائی اور وقت دیکھا۔یہ کانچ کی بنی قدیم گھڑی تھی جس کے دو خانے تھے۔اوپر والے میں ریت بھری تھی اور سوراخ سے ذرہ ذرہ کر کے ریت نچلے خانے میں گر رہی تھی۔آہستہ آہستہ۔اس نے ریت کی مقدار سے اندازہ لگایا کہ ابھی رات کے بارہ یا ایک بجے تھے۔وہ مسکرائی اور گھڑی رکھ دی۔

اسے کسی سے ملنے جانا تھا۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی اس وقت اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ اوپر تیر کمان جیسا چاند جگمگا رہا تھا۔ چند پہریدار جمائیاں لیتے پھاٹک اور چار دیواری کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ مگر باورچی خانے کی چمنی کے ساتھ مخروطی چھت پہ بیٹھی تالیہ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

وہ سیاہ پاجامے قمیص میں ملبوس' بالوں کو سیاہ کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ دور سے وہ کوئی نوجوان لڑکا نظر آتی تھی جو اکڑوں بیٹھا' اداسی سے گھٹنوں پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ ہاں ہاتھ میں دمکتی سرخ آنسو والی انگوٹھی اس کی نسوانیت کا پتہ دیتی تھی۔ اوپر چڑھتے فاتح کی پہلی نظر اس انگوٹھی پہ پڑی تھی۔ دوسری اس کے تاریکی میں ڈوبے چہرے پہ۔ رسی پرے پھینکتا وہ اس کے قریب آ کے بیٹھا۔

''تو کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔

''مجھے راجہ کے کمرے کی تلاشی لینے کا موقع ابھی تک نہیں مل سکا۔ چابی کہاں ہے' میں نہیں جانتی' لیکن جیسے ہی وہ ہمیں ملی' ہم واپس.....''

''میں وزیرِ خزانہ کی تعیناتی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' وہ کھنکھار کے بولا تو وہ چپ ہوئی۔ ''اوہ!''

''سن باؤوانگ لی.... یا....ابوالخیر....تم نے کس کو چنا؟''

''کس کو چننا چاہیے تھا؟''

''ظاہر ہے وانگ لی کو۔ اس میں وہ دونوں خوبیاں ہیں جو ہمیں کسی کو جاب دیتے وقت امیدوار میں تلاشنی چاہئیں۔ اس جاب کو کرنے کی قابلیت اور امانت داری۔'' اس کا ذکر کرتے ہوئے فاتح کی آواز میں نرمی گھل گئی۔ ''جبکہ ابوالخیر ایک بدنیت اور نااہل آدمی ہے۔''

وہ چند لمحے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ ''میں نے ابوالخیر کا نام تجویز کیا ہے اور سلطان نے تائید کرتے ہوئے فیصلے پہ مہر لگا دی ہے۔''

حویلی کی چھت پہ سناٹا چھا گیا۔ فاتح چند لمحے تو کچھ کہہ نہیں سکا۔ پھر اس کے ابرو بھنچ گئے۔

''تم نے ابوالخیر کی طرفداری کیوں کی؟''

''کیونکہ مجھے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے مضبوط حلیفوں کی ضرورت ہے۔ اور مجھے مراد راجہ کو بھی خود سے خفا نہیں کرنا۔''

''تو تم نے یہ اپنے لئے کیا؟ ملاکہ کے لوگوں کے لئے نہیں؟''

تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور سادگی سے اسے دیکھا۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے' تو انکو؟''

''میں ملاکہ کے لوگوں کو وانگ لی جیسے ایماندار اور قابل آدمی کا تحفہ دیتا۔''

''وہ غیر ملکی ہے۔ بھلے اس کی ہمارے سلاطین اور رئیسوں سے گہری دوستی ہی کیوں نہ ہو'وہ ہمیشہ یہاں ایک اجنبی آدمی ہی رہے گا۔ بالفرض میں اس کا چناؤ کر بھی دیتی تو صبح ہونے سے پہلے ابوالخیر یا راجہ مرادا سے مروا دیتا۔ مقابلہ ختم ہو جاتا اور ہمیں ابوالخیر کو ہی وزیر بنوانا پڑتا۔(فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا) یہ آپ کی ڈیموکریسی نہیں ہے' تو انکو... جہاں اتنی آسانی سے قتل نہیں ہو سکتے۔ یہ بادشاہت ہے۔ یہاں کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہاں عدالتیں حکمرانوں کے تابع ہوتی ہیں۔ میں ایک چینی کو ملاکہ کا وزیرِ خزانہ بنوا بھی دیتی تو لوگ اسے تسلیم نہ کرتے اور اگر وہ مر جاتا تو اس کے لئے کوئی نہ روتا۔ میں نے اس کی جان اور اپنے ملک کا امن بچایا ہے۔ یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا۔ اگر سیاست یہ نہیں ہوتی تو میں نہیں جانتی کہ سیاست کیا ہوتی ہے۔''

''وانگ لی اس ملک کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔'' وہ تلخی سے سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بنگارا ملایو میں کیا لکھا ہے؟ کیا وانگ لی کو تاشہ نے وزیر بنایا تھا؟''

فاتح نے گہری سانس لی۔''اس میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں درج نہیں تھیں۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ شاید وہ عظیم کارنامے جو وانگ لی نے سرانجام دیے تھے وہ وزیر بن کے کیے ہوں اور مورخ ان کو لکھنا بھول گیا ہو۔''

''مورخ!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔''جانتے ہیں شاہی مورخ کون ہے؟''

''جانتا ہوں۔'' اسے اس وقت مورخ کے ذکر میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خفا نگاہیں سامنے پھیلی تھیں جہاں اندھیرے میں ڈوبا قدیم ملاکہ پھیلا تھا۔ دو چار گھروں میں مشعلیں جلتی نظر آ رہی تھیں۔ یوں لگتا جیسے سیاہ چادر کے سارے سنہری تارے ٹوٹ گئے ہوں اور صرف ایک آدھ تارہ اٹکا ہوا جگمگا رہا ہو۔

''ابوالخیر اور راجہ کی بلیک میلنگ سے ہار ماننے کی بجائے یہ عہدہ وانگ لی کو دے کر اس کی حفاظت کا بندوبست بھی کیا جا سکتا تھا۔''

''آپ کی وانگ لی سے کتنی بات چیت ہوئی؟''

''بات چیت؟'' فاتح کی آواز آہستہ ہوئی۔ نظریں دور پھیلے ملاکہ پہ جمی تھیں۔''میں باورچی خانے میں تھا جب اس کے آنے کی اطلاع ملی۔ اس کے نام نے مجھے چونکایا تھا۔ میں طشت لے کر اندر گیا اور اس کے سامنے شوربہ رکھا۔ اس نے مجھے صرف ایک نظر دیکھا۔ میرے اوپر دوسری نظر اس نے رات کھانے پہ ڈالی جب تم بھی وہاں موجود تھیں اور امورِ سلطنت پہ گفتگو کی جا رہی تھی۔ تمہارے جانے کے بعد ابوالخیر نے اسے زہر ملا شوربہ میرے ہاتھوں پلوانا چاہا مگر میں نے اسے خبردار کر دیا۔ پھر جب وہ اپنی سواری پہ چڑھ رہا تھا تو میں باورچی خانے کی چوکھٹ پہ کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔ میری اس سے اتنی ہی ملاقات ہوئی بس۔''

تالیہ ایک دم ہنس پڑی۔ فاتح نے قدرے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ لبوں پہ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔

''اتنا مزاحیہ کیا تھا اس میں؟''

تالیہ نے بدقت مسکراہٹ روکے منہ سے ہاتھ ہٹائے۔

''آپ فین مومنٹ میں ہیں۔''

''کیا؟'' اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی۔

''ایک زمانے میں میں' تالیہ مراد' کسی کے گھر کام کرتی تھی۔'' ہتھیلی گال تلے جمائے مزے سے بتانے لگی۔ ''ایک روز کچن میں میں نے ساتھی ملازماؤں سے پوچھا کہ اتنا اہتمام کس کے لئے کیا جا رہا ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ملک کا اگلا وزیرِ اعظم مدعو ہے۔ (فاتح ہلکا سا مسکرایا۔ اب وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔) اور پھر میں نے اس سیاستدان کو جوس پیش کیا۔ میں بھی اعلیٰ ایوانوں کی گفتگو کے دوران دروازے سے باہر کھڑی سنتی رہی تھی' اور میں نے بھی کچن کی کھڑکی سے ان دونوں میاں بیوی کو اپنی سواری میں سوار ہوتے دیکھا تھا مگر مجھے اس سیاستدان نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کے نہیں دیکھا۔ بلکہ جب میں نے ان ہی کے گھر' ان ہی کی ڈائننگ ٹیبل پہ ان کو گھائل غزال کے جعلی ہونے کی سازش سے مطلع کرنا چاہا تو مجھے لگا وہ میرا یقین نہیں کریں گے۔ اچھی بات ہے کہ آپ نے سچ بولنے کی ہمت کی اور سن باؤ کو مطلع کر دیا۔ میں نہیں کر سکی تھی۔ مگر شاید اس لئے کہ میں ان کے سامنے ہمیشہ فین مومنٹ میں ہوتی تھی۔ تالیہ دی فین گرل۔''

آخر میں وہ دوبارہ ہنسی مگر اب کی بار وہ ہنسی تلخ تھی۔ استہزائیہ۔ اپنا مذاق اڑاتی ہوئی۔

''میں اس کا فین نہیں ہوں۔ میں....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ تالیہ چند لمحے فقرہ مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ وقت کے اس قیدی سے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

عموماً ملاقات کے ختم ہونے کا احساس ڈائری اٹھائے اس کا سیکرٹری دلایا کرتا تھا اور پھر اگلی میٹنگ کے بارے میں مطلع کرتا تھا۔ تالیہ نے یونہی ادھر ادھر دیکھا۔ آج اس کا کوئی سیکرٹری' کوئی باڈی مین اس کے وقت کا حساب رکھے ہوئے ارد گرد منڈلا نہیں رہا تھا۔ وان فاتح ان کی زندگیوں سے نکل چکا تھا اور چند دن پولیس نے اسے تلاش کرنے کے بعد کیس فائلز کے ڈھیر میں بھلا بھی دیا ہو گا۔ اس کے سیکرٹری نے اگلی جاب بھی شروع کر دی ہو گی۔ سب آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ صرف وہی پیچھے رہ گئے تھے۔ قید۔

وان فاتح اب رسی سے نیچے اتر رہا تھا اور بالوں کو رومال میں لپیٹے بیٹھی تالیہ یاسیت سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

جنگل کے ان سارے دنوں کے بعد آج وہ عرصے بعد دوبارہ سے فین مومنٹ میں گھری تھی۔ مگر کیا وہ اب تک فاتح بن رامزل کی فین تھی؟ یا الوژن ٹوٹ چکا تھا؟

مگر پھر.... الوژن کے پار.... کیا نظر آیا تھا اسے؟

☆......☆......☆

اس صبح بنداہارا کے محل سے سورج کی کرنیں ٹکرا رہی تھیں۔ دربار کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی روشنی دربار کو منور کیے ہوئے تھی۔ اونچے تخت پہ شہزادی تاشہ ریشمی لباس کو پھول کی طرح پھیلائے بیٹھی تھی۔ سر پہ ہیروں کا تاج سجا تھا اور ہاتھ میں چاندی کا آئینہ تھامے وہ آنکھوں کا سنگھار دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً دروازے کھلے اور منادی کرنے والے نے صدا لگائی۔ ''قیدی 'آدم' حاضر ہو۔''

ایڈم اندر داخل ہوا تو پیچھے دروازے بند کر دیے گئے۔ وہ دربار کی چوکھٹ پہ تنہا کھڑا تھا۔ کوئی کنیز' کوئی غلام موجود نہ تھا اور تخت پہ بیٹھی شہزادی آئینہ دیکھنے میں مصروف تھی۔

ایڈم نے اطراف پہ نظر دوڑائی۔ عالیشان وسیع و عریض دربار.... چھت پہ بنے نقش و نگار ....کھڑکیوں پہ گرے مخملیں پردے ....ہر شے رعب طاری کر دینے والی تھی۔ مگر ایڈم نے دل چھوٹا نہ کیا۔ آج عرصے بعد اسے صاف لباس دیا گیا تھا' جس میں کلف بھی لگا تھا۔ پاجامہ اور چھوٹا کرتا۔ ہم رنگ جوتے۔ وہ اعتماد سے قدم اٹھاتا تخت کے سامنے آیا اور سر جھکا کے سلام کیا۔

''شہزادی!'' سر اٹھا کے تالیہ کے چہرے کو براہِ راست دیکھا۔

''میں جانتا ہوں آپ شرمندہ ہیں' مجھے اتنے دن جیل میں رکھنے اور تیسرے درجے کا کھانا دینے کے لئے۔ مگر آپ بےفکر رہیں' میں نے آپ کو معاف کیا کیونکہ آپ نے مجھے دنیا کی بہترین کتابوں سے روشناس بھی تو کروایا ہے۔'' بڑی سخاوت سے انگریزی میں بولا۔

تالیہ نے ناک سکوڑی' آئینہ پرے رکھا اور تندہی سے اسے گھورا۔

''گرفتاری کے وقت یہ تھیلا تمہارے پاس سے ملا تھا۔'' سرخ انگوٹھی والی انگلی سے شہزادی نے اشارہ کیا تو ایڈم نے دیکھا' درباریوں کی خالی کرسیوں میں پہلی کرسی کے سامنے میز تھی جس پہ ایک تھیلا رکھا تھا۔ ساتھ موم بتی' کاغذ' قلم' سیاہی وغیرہ ترتیب سے رکھے تھے۔ ایڈم نے تھیلا اٹھا کے دیکھا۔

''جی یہ میرا ہی ہے۔'' اس نے اندر سے کاغذ نکال کے دیکھے۔ پھر قدرے حیران ہوا۔ ''ایک منٹ۔ پہلے صفحے 'بنگارایا ملایو' اور نیچے مصنف کا نام بھی لکھا تھا۔ ابوبکر سم تھنگ ....وہ صفحہ کہاں گیا؟''

''وہ صفحہ میں نے پھاڑ کے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔''

''مگر وہ کیوں؟''

شہزادی نے ایک شانِ بے نیازی سے سنہری لٹ پیچھے کی۔

''اگر میں وہ رہنے دیتی تو قید خانے کا داروغہ جان لیتا کہ یہ دستہ تمہارا نہیں' کسی ابوبکر کا ہے۔ تم پہ چوری ثابت ہو جاتی اور مجبوراً قانون کے مطابق اسے تمہارا ہاتھ کاٹنا پڑتا۔''

ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''ہیں؟''

''نہیں خیر ہے، اگر تمہیں اپنا ہاتھ پیارا نہیں تو کھل کے بتا دو۔ میں ابھی کٹوائے دیتی ہوں۔''

''ارے واہ.... کیسے کٹوائے دیتی ہیں؟'' وہ چمک کے بولا۔ ''پہلے بتائیے، مجھے چوری کرنا سکھائی کس نے تھی؟''

''جس نے سکھائی تھی، اس نے اپنے سکھانے کا ثبوت تو چھوڑا نہیں ہوگا۔ ہے نا۔'' ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے پلکیں جھپکا کے اسے دیکھا۔

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔ پھر نظریں اس کاغذ پہ جھکائیں۔

''خیر... فی الحال اس کتاب پہ کسی دوسرے کا نام نہیں لکھا۔ یعنی یہ تھیلا میرا ہی ہے۔'' غور سے تالیہ کو دیکھا۔ وہ اونچے تخت پہ بیٹھی تھی اور ایڈم نیچے کھڑا تھا۔

''یہ ہوئی نا بات۔ اب تم محفوظ ہو۔ ویسے وہ کون تھا جس کی یہ کتاب تھی۔'' وہ مسکرا کے دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

''ہونہہ۔ تھا کوئی کنگال رائٹر۔ بلکہ رائٹرز تو پھر بہتر ہوتے ہیں، وہ تو بے چارہ کوئی مورخ تھا۔'' ایڈم نے خوب ناک چڑا کے سر جھٹکا۔ تالیہ نے مزید دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اور مورخین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔''

''مورخین؟ ہا!'' اس نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔ ''میرے نزدیک مورخین انتہائی دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔''

''اچھا؟ دو نمبر؟'' تالیہ نے دوبار پلکیں جھپکائیں۔

''اور نہیں تو کیا۔ آپ کے خیال میں کیا یہ سچ لکھتے ہیں؟ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں، اس میں زیادہ تر مبالغہ آرائی ہوتی ہے جو مورخین اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ تقریباً سارے بادشاہ طاقت کی ہوس میں مبتلا ظالم لوگ ہوتے تھے۔ سوائے دو چار کے، انسانی تاریخ کرپٹ حکمرانوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر تاریخ کی کتابیں پڑھو تو بادشاہ رحم دلی اور عظمت کا پیکر لگتے ہیں۔ خوشامدی درباری مورخین کے کارنامے۔ ہونہہ۔''

''ہوں۔ کتنے نیک خیال ہیں تمہارے۔ اور بنگا رایا ملایو کے مورخ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' وہ مسکرا مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

''بنگا رایا ملایو میں نے پڑھی تو نہیں ہے، مگر اس کا رائٹر.... اس کا کنگال رائٹر دیکھا تھا اس دن میں نے سرائے میں۔'' پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ ''ابھی اس نے کتاب کا پہلا صفحہ بھی نہیں لکھا۔ یعنی یہ کتاب ابھی اس نے لکھنی ہے۔ ہوں۔ یعنی اب وہ آپ کے پاس آئے گا اور آپ کی خوشامد کرے گا۔ جواب میں آپ اس کو مالا مال کر دیں گی کیونکہ میں نے سنا ہے بنگا رایا ملایو میں شہزادی تاشہ کی وہ وہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں جن کا آپ میں ہونا مشکوک ہے۔ اور ایسا صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک لالچی، مفاد پرست

اور جھوٹے آدمی کو شاہی مورخ کا عہدہ دینا ہے۔''

اپنی طرف سے مسکرا کے وہ تاک تاک کے نشانے لگا رہا تھا۔ مگر تالیہ دلچسپی سے سنے جا رہی تھی۔

''چچ چچ.....کتنا کوئی جھوٹا اور نیچ آدمی ہوگا ہمارا اگلا شاہی مورخ۔''

''ہونہہ۔ شہزادی کی خوشنودی کے لیے ایمان بیچ دینے والا مورخ۔ اور وہ کنگال رائٹر ابوبکر.....وہ.....ایک منٹ...جو بنگارایا ملایو ہمیں پڑھائی جاتی تھی اس کے مصنف کا نام ابوبکر نہیں تھا۔ اس کا نام آدم بن محمد تھا مگر خیر...ہوگا وہ بھی جھوٹا اور....''

ایڈم کو بولتے بولتے ایک دم چپ لگی۔ جیسے کسی نے سر پہ کچھ دے مارا ہو۔

ایک دم وہ آگے بڑھا اور جس میز پہ اس کا تھیلا پڑا تھا وہاں رکھی تختی اپنی طرف موڑی تا کہ اس پہ کندہ نام سامنے آسکے۔ وہ کرسی شاہی مورخ کی تھی' اور بھلا کون سا نام لکھا تھا اس پہ؟

''آدم بن محمد۔ شاہی مورخ۔''

ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے۔

شہزادی اپنا گاؤن جھٹکتی اٹھی اور ایک شان سے چبوترے کے زینے اترنے لگی۔ ایڈم سانس روکے اس تختی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاہی مورخ کی کرسی اور اس کا سامان تھا۔

تالیہ اس کے قریب رکی اور ایک رول شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''آدم بن محمد۔ آج سے تم ملاکہ کے سلطان مرسل شاہ کے شاہی مورخ تعینات کیے جاتے ہو۔'' کاغذ جھٹکا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ شاہی حکم نامہ تھا اور نیچے مرسل شاہ کی مہر نصب تھی۔ ''تم بنگارایا ملایو لکھو گے۔ تاشہ پسونا کے دور کی کہانی جو صدیوں یاد رکھی جائے گی۔ تمہارے نام کے ساتھ۔ تم....ایڈم بن محمد ملاکہ سلطنت کے ''آدم بن محمد'' ہو۔''

وہ بالکل ششدر کھڑا تھا۔ ''کیا واقعی 'میں' وہ عظیم کتاب لکھوں گا؟ میں؟''

''بالکل۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور تم اس داستان میں سب سچ لکھو گے۔ تمہاری شہزادی کبھی تمہیں جھوٹ لکھنے کو نہیں کہے گی۔ تم میری تاج اور تخت کی اس جنگ کو دیکھ کر جو محسوس کرنا' وہی سچ سچ لکھ ڈالنا۔''

''واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں سب سچ لکھ سکتا ہوں؟''

''بالکل بھی نہیں' ڈفر۔'' مسکراہٹ غائب کی اور ماتھے پہ بل ڈال کے اسے گھر کا۔ ''اتنے اعلیٰ عہدے مفت میں نہیں ملا کرتے۔ اس لیے میرا احسان مانو اور جو میں کہوں' وہی لکھنا ہے تم نے۔ تمہارے ایک ایک لفظ پہ میری نظر ہوگی' اچھا!۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ایک کنگال رائٹر کا تھیلا چوری کروانے کے جرم میں ہاتھ کٹوا دوں گی تمہارا۔ ہونہہ۔'' ایک ادا سے سر جھٹکا اور آگے چل دی۔ اس کا

ریشمی شاہی لباس اس کے پیچھے پیچھے فرش پہ جھاڑو دیتا جا رہا تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دور جاتے دیکھا۔

''اگر اس تاشہ کو ساحرہ کی جگہ جادوگرنی بنا کے پیش نہ کیا تو میرا نام بھی ایڈم بن.....آدم بن محمد نہیں...ہاں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کے دل ہی دل میں تہیہ کیا۔

میز پہ رکھے شاہی حکم نامے کی سیاہی سوکھ چکی تھی اور موی مہر جم چکی تھی۔ساتھ سجے قلم دوات اب اپنے لکھاری کے منتظر نظر آتے تھے۔

☆......☆......☆

صبح کی سفیدی نے ابوالخیر کی حویلی کے صحن کو روشن کر رکھا تھا۔صحن کے کونے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح مشکیزے سے پانی ہاتھوں میں بھرتا چہرے پہ ڈال رہا تھا۔نماز کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور آج کسی نے دوبارہ آواز تک نہیں دی تھی۔وہ اٹھا تو روشنی پھیل چکی تھی۔

آستین سے گیلا چہرہ رگڑتا وہ کچن کی طرف چل دیا۔زندگی عجیب مختلف سی ہو چکی تھی۔وہ صبح کی میلوں دور کی جاگنگ۔وہ شام کا جم۔وہ کے ایل کی عمارتوں کے کاریڈورز میں اپنے جیسے افراد کے ساتھ ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے سیکرٹری کی بریفنگ سننا۔وہ میٹنگز اور کانفرنسز کی سربراہی کرنا۔وہ لوگوں سے بھرے ہال اور اسٹیج پہ کھڑا تقریر کرتا وان فاتح۔وہ کیمروں اور مائیکس کے سامنے فلیش لائیٹس کی چمک میں انٹرویو دیتا آدمی۔وہ سب کتنا پیچھے رہ گیا تھا۔بجلی اور برقی آلات سے غیر مانوس ایک قدیم شہر میں وہ پھنس گیا تھا جہاں وہ صرف ایک قیدی غلام تھا۔اور کچھ نہیں۔یہ سب کہاں جا کے ختم ہوگا؟ وہ اس بارے میں کم سے کم سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔

خیالات کو ذہن سے جھٹکتا وہ باورچی خانے میں آیا تو سب مصروف نظر آتے تھے۔ایک طرف دیگچے میں غلاموں کے لئے پھیکا بدمزہ دلیہ بن رہا تھا۔باقی تمام چولہوں پہ ابوالخیر اور اس کے اقارب کے لئے شاہانہ ناشتے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔وہ خاموشی سے آگے آیا اور چاولوں کا تھال اٹھایا تو نگران باورچی نے روک دیا۔

''تم رہنے دو۔'' کڑاہی میں آٹے کے پیڑے تلتے ہوئے وہ عام سے انداز میں بولا۔''تمہارے لئے نیا لباس رکھا ہے۔وہ تم پہن لو۔اور ابھی آرام کرو۔کوئی کام ہوا تو بلوا لوں گا۔''

فاتح بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔پھر بے دلی سے تھال پرے ڈالا اور اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔وہاں تازہ پوشاک رکھی تھی۔صاف ریشمی ٹوپی۔نئے جوتے۔

عجیب وحشت ناک چیزیں تھیں وہ۔جیسے آہنی بیڑیاں اتار کے طلائی بیڑیاں پہنائی جا رہی ہوں۔

کچھ دیر بعد وہ نیا لباس پہنے' ماتھے پہ سبز پٹی باندھے' اصطبل کے زینوں پہ بے کار سا بیٹھا تھا۔اس کی طرح کے دو اور غلام بھی

آج نئے لباس میں آگے پیچھے ٹہلتے نظر آرہے تھے۔ان کا بھی یہ آرام کا دن تھا۔کسی بڑی قربانی سے پہلے کا آرام!

اصطبل میں جگہ جگہ گھوڑے بندھے تھے۔ہر گھوڑے کی اپنی کوٹھڑی تھی جس میں وہ آرام سے بیٹھا یا کچھ کھاتا پیتا نظر آرہا تھا۔ایسے میں وہ البینو غلام ایک گھوڑے کو باہر نکال کے لایا اور اس کی گردن کے چمکدار بال کھینچنے لگا۔(بال گھڑسواری کے دوران مشکل پیدا کرسکتے ہیں،اس لئے ان کو سنوار کے کھینچ کے اکٹھا کیا جاتا ہے تاکہ وہ سمٹے رہیں۔)

فاتح ایک دم آستینیں چڑھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"خبردار....رکو۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اس کے قریب آیا۔"اس کے بالوں کو مت چھوؤ۔ابھی اس نے کھانا نہیں کھایا۔گھوڑے کے کھانے کے وقت سے پہلے اس کے بالوں کو نہیں چھوتے۔"

البینو نے رخ نہیں موڑا،نہ ہی کوئی تاثر دیا۔بس سنجیدہ چہرے کے ساتھ جھٹکے سے بال چھوڑ دیے۔فاتح نے ایک گہری نظر اس کے چہرے کے زاویوں پہ ڈالی۔

"میں تم سے بات کررہا ہوں۔"

البینو نے اکھڑا اکھڑا سا چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔اردگرد کام کرتے غلام بھی رک کے ان دونوں کو دیکھنے لگے تھے۔وہاں ابوالخیر کا کوئی سپاہی موجود نہ تھا۔سارے کام غلام ہی نبٹا رہے تھے۔

"اس گھوڑے کو واپس اندر لے جاؤ۔ویسے بھی یہ ٹھوس بھورے رنگ کا ہے۔ٹھوس رنگوں کے گھوڑوں کو سدھانا مشکل ہوتا ہے،یہ کام تم سے نہیں ہوگا۔وہ سفید گھوڑا جس میں بھورے دھبے ہیں.....(بازو لمبا کر کے تحکم سے ایک طرف اشارہ کیا۔)اس کو لے کر آؤ اور اس کے بالوں سے شروع کرو۔دھبوں والا گھوڑا اتنا اتھرا نہیں ہوتا۔"

البینو نے تلخی سے گھوڑے کی لگام پٹخی اور پورا اس کی طرف گھوما تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

"تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟"

"تاکہ یہ گھوڑا تمہیں دولتی مار کے ہلاک نہ کردے۔خدا کی قسم،اگر اس نے ایسا کیا تو ابوالخیر کو تم سے زیادہ گھوڑے کے پیروں کی فکر ہوگی۔"

"اور کیا تمہیں ہماری فکر ہے؟ ہرگز نہیں۔تم تو اب جارہے ہو۔اگلے ہفتے نیلامی ہے۔جس پہ تمہیں فروخت کردیا جائے گا۔کسی رئیس یا سلطان کے محل میں تم عیش کروگے۔"

فاتح قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔میں نے زندگی میں کبھی وعدے نہیں توڑے۔کبھی اپنے لوگوں کو اکیلا نہیں چھوڑا۔غور سے سن لو

میری بات۔" کہہ کے وہ اپنے قدموں پہ آہستہ آہستہ گھوما۔

ارد گرد کام روک کے کھڑے تمام غلام یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

"پچھلے ایک ماہ میں ہر روز جب میں تم سے ملتا ہوں تو ایک ہی بات کہتا ہوں۔" اس کی آنکھیں ایک غلام سے دوسرے تک کا سفر کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔" کہ اپنے لئے لڑنا سیکھو۔ کسی کو اجازت مت دو کہ وہ تمہیں جسمانی اذیت پہنچائے یا تمہیں اپنا غلام بنائے۔ اللہ نے ہم سب کو آزاد پیدا کیا ہے مگر کچھ انسان ہم سے یہ آزادی چھین لیتے ہیں۔ آزادی واپس لینے کے لئے لڑنا پڑتا ہے' جان مارنی پڑتی ہے۔ اور اگر تم لوگ...." اس کی آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

"اگر تم لوگ اپنے لئے نہیں لڑ سکتے' تو بھی میں تمہارے لئے لڑوں گا۔ میں تمہارے لئے واپس آؤں گا۔ میں تمہیں اس قید سے نکالوں گا۔ میں اپنے لوگوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں۔"

وہ واپس البینو کی طرف گھوما۔ البینو کے کندھے ڈھیلے پڑ چکے تھے البتہ آنکھوں کا شاکی پن کم نہ ہوا تھا۔

"اس لئے جب فاتح بن رامزل تمہیں حکم دے کہ گھوڑے کے شر سے خود کو بچاؤ تو اس حکم کی تعمیل کرنا سیکھو۔ مجھے وہ لوگ نہیں پسند جو مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے!"

پھر اس نے بھورے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی۔ گھوڑے نے فوراً سر اس کی طرف جھکا دیا۔

"تم ادھر آؤ!" ایک دوسرے غلام کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ سارے کام چھوڑ کے بھاگا چلا آیا۔

"اس کو کھانا کھلاؤ' اور پھر استرا لے کر اس کے بال اطراف سے کاٹ دو' مگر تب جب وہ پرسکون ہو۔ پھر اس کے بالوں کی مینڈھیاں بناؤ تاکہ وہ گردن کے ایک طرف پڑی رہیں۔ ہر تیسرے دن تم اس کی مینڈھیوں کو کھول کے کنگھا کر کے دوبارہ ان کو گوندھ دو گے تاکہ اس کا ایک بھی بال خراب نہ ہو۔"

غلام نے ادب سے سر کو خم دیا۔ فاتح نے گھوڑی کی گردن سے ہاتھ ہٹایا اور ایک آخری نظر البینو پہ ڈالی جو قدرے نرم' قدرے خفا سا کھڑا تھا۔

"میں تمہارے لئے واپس آؤں گا' لیکن صرف تب جب تم مجھ پہ بھروسہ کرو گے۔ معجزے صرف ان لوگوں کو ملتے ہیں جو معجزوں کے ہونے پہ یقین رکھتے ہیں۔" اور پھر آگے بڑھ گیا۔

تمام غلام راستہ چھوڑ کے ادھر ادھر ہو گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا چلتا جا رہا تھا اور وہ مڑ مڑ کے اسے جاتے دیکھ رہے تھے۔

ان کے میلے' گدلے' مفلوک الحال چہروں پہ ڈھیروں امید تھی اور آنکھوں میں ہلکی سی نمی۔

☆......☆......☆

''سلطنت محل'' کا دربار اس دوپہر ویران ویران سا لگتا تھا۔ درباریوں کی کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ تخت پہ سلطان مرسل شاہ بیٹھا میز پہ رکھے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی نازک سی پیالی سے قہوے کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا۔

اس کے کندھے کے قریب کھڑا راجہ مراد ایک کے بعد ایک کاغذ اس کے سامنے رکھتا اور اس کے متن سے آگاہ کرتا۔

''ہم آپ کے چچا (سابق سلطان) کے مقرر کردہ تمام اعلیٰ عہدیداروں کو ان کی نشستوں سے معزول کر کے اپنے وفادار آدمی ان جگہوں پہ بٹھا رہے ہیں۔ یہ کوتوال کی تعیناتی کا حکم نامہ ہے' آقا۔ آپ مہر لگا دیجئے۔'' کہتے ہوئے وہ محتاط نظروں سے مرسل کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بھی دیکھ رہا تھا۔

''مفید بن غالب۔'' مرسل نے گھونٹ بھرتے ہوئے نئے کوتوال (پولیس چیف) کا نام پڑھا۔ ''کیا یہ آدمی سابق کوتوال سے زیادہ اچھا ہے؟ سابق کوتوال اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں کے باعث عوام میں بہت مقبول تھا' مراد۔'' اسے جیسے اچنبھا ہوا۔

''بالکل آقا' وہ مقبول تھا' مگر وہ آپ کے چچا زاد بھائیوں کا حامی ہے۔'' مراد جلدی سے بولا۔ تیز چمکتی آنکھیں مرسل کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''آپ کے چچا زاد بھائی (سابق سلطان کے بیٹے) سلطان بننا چاہتے تھے مگر میں نے ان کو آپس میں لڑوا کے محل سے نکالا تھا۔ وہ مفرور ہیں مگر کبھی نہ کبھی واپس آنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ ایسے میں پولیس چیف ان کا حمایتی ہوا تو شہر کی پولیس ان کی مدد کرے گی۔ ہمیں ہر اعلیٰ عہدے پہ اپنے وفادار لوگ چاہییں ہیں' آقا۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر.....'' مرسل نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ ''یہ آدمی.....ایک تاجر ہے۔ کیا یہ شہر کی پولیس سنبھال سکے گا؟''

''آقا' ملازم رکھنے کی سب سے بڑی شرط وفاداری ہوتی ہے۔ وہ آقا کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس سے اوپر ہمیں کیا چاہیے؟''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مرسل آگے جھکا اور مہر اٹھا کے کاغذ پہ ثبت کی۔ راجہ مراد نے جلدی سے کاغذ رول کر کے سمیٹا اور پھر دوسرا کاغذ سامنے کیا۔

''میں شہر کا قاضی بھی بدل رہا ہوں۔ عارف بن مہور انیا قاضی ہوگا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے سوداگر ہے مگر قرآن و حدیث اور علومِ فقہ میں اسے خاص مہارت حاصل ہے۔''

''گزشتہ قاضی اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا' مراد۔'' مرسل نے قدرے الجھن سے پہلو بدلا۔ ''اور یہ آدمی تو سوداگر ہے۔ یہ عدالتیں کیسے چلائے گا۔''

''آپ کا خدشہ درست ہے آقا' مگر کیا چیز زیادہ بہتر ہے؟ ایک مقبول قاضی جو کسی بھی وقت دشمنوں سے جا ملے اور آقا کو قید یا جلا وطن کروادے' یا ایک ایسا قاضی جو آقا کے ساتھ وفادار ہو؟''

مرسل نے جواب نہیں دیا۔ بس بے زاری سے مہر اٹھا کے ثبت کی تو مراد نے گہری سانس خارج کی۔ پھر اگلا کاغذ سامنے رکھا۔

''یہ نئے سفیروں کی فہرست ہے جن کو ہم دوسرے ممالک میں آقا کے ترجمانوں کی حیثیت سے بھیجیں گے' یہ لوگ میرے وفادار اور پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ آقا کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی میں کرتا ہوں۔'' وہ اب نئے نئے صفحات سامنے رکھ رہا تھا اور مرسل شاہ ان پہ مہریں ثبت کر رہا تھا۔ درمیان میں جمائی روکنے کے لئے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھا اور بولا۔

''بس یا اور؟''

''یہ محکمہ اوقاف کے نئے سربراہ کا حکم نامہ ہے۔ یہ شہر کا معروف تاجر ہے' اور اس کا کاروبار تین براعظموں تک پھیلا ہے۔ گزشتہ وزیرِ اوقاف بہت مقبول تھا کیونکہ وہ غریبوں تک زکوٰۃ اور صدقات کے پیسے ایمانداری سے پہنچاتا تھا مگر یہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ ہمارا وفادار ہے۔''

مرسل شاہ نے بغیر مزاحمت کے کاغذ پہ مہر ثبت کی اور پیچھے کو ٹیک لگالی۔ مراد نے تمام کاغذات رول کر کے ایک ٹرے میں رکھے اور ساتھ ہی نرم خوئی سے کہنے لگا۔'' آقا....طاقت حاصل کرنا کمال نہیں ہے۔ طاقت کو برقرار رکھنا اصل فن ہے۔ کوئی بھی شخص تنہا حکومت نہیں چلا سکتا۔ اس کو طاقتور لوگوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے تاکہ سب مل کے آقا کے تخت کی حفاظت کریں۔ جب تک ہم اہم عہدوں پہ اپنے لوگ نہیں بٹھائیں گے' ہم سلطنتِ ملاکہ کو اپنے طریقے سے نہیں چلا سکیں گے۔''

''ہوں۔'' وہ بور سا ہو کے ادھر ادھر دیکھنے لگا' پھر یونہی سرسری سا بولا۔'' تمہاری بیٹی....تاشہ....ہم نے ان کا ذکر پہلے نہیں سنا۔''

طشت میں کاغذوں کے رول سجاتے مراد کے ہاتھ تھمے۔ پھر آہستہ سے آنکھوں کو گھما کے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اپنی جواہرات سے مزین انگوٹھیوں کو انگلیوں میں گھماتا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تاشہ میری پہلی بیوی سے ہے۔'' مراد تول تول کے کہنے لگا۔'' ملک کے حالات اچھے نہ تھے اس لیے میں نے اس کو چین میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے بھیج دیا تھا۔ مگر جب میرے ملک کی باگ دوڑ ایک ایسے سلطان کے ہاتھ میں آگئی (مرسل کی طرف اشارہ کیا) جو اپنی قوم کی حفاظت کرنا جانتا ہے تو میں نے اسے بلوا لیا (مرسل شاہ نے مسکرا کے فخر سے گردن ذرا اکڑا لی۔) اب ملاکہ میں رہنا اس کے لئے محفوظ تھا اور تالیہ کے کھونے کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا۔ مجھے امید ہے وہ آقا کے دربار کے لئے نیک بخت ثابت ہو گی۔''

''ہاں۔ بالکل۔'' مرسل شاہ مسکرا کے کھڑا ہوا اور ہاتھ کمر پہ باندھے چبوترے کے زینے اترتا گیا۔ وہ تازہ دم سا خوشگواریت میں گھرا نظر آتا تھا۔

طشت میں باقی حکم نامے رکھتے مراد نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں گہری سوچ پنہاں تھی۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کے پائیں باغ کا آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا نظر آرہا تھا۔دوپہر کے باوجود باغ میں ٹھنڈی چھایا سی پھیلی تھی۔

شہزادی تاشہ کنیزوں اور غلاموں کی معیت میں روش پہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔پیروں تک آتا زرتار جامنی گاؤن پہنے' سر پہ تاج سجائے وہ معمول کے مطابق سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔

باغ کے وسط میں ایڈم کھڑا تھا۔پاجامے پہ اوور کوٹ نما گاؤن پہنے' سر پہ ٹوپی اوڑھے' وہ سنجیدہ نظر آتا تھا۔جب تالیہ اس کے قریب پہنچی تو اس نے بھی سر پورا جھکا کے اٹھایا۔''شہزادی!''

''شاہی مورخ میرے ساتھ آئے۔'' دو انگلیوں سے اشارہ کیا اور روش پہ آگے بڑھ گئی۔کنیزیں اور خادم پیچھے رہ گئے اور مورخ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔(کنیزیں کافی فاصلہ رکھ کے پیچھے چلنے لگیں۔)

''تم نے اپنی کتاب لکھنی شروع کردی' ایڈم!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ چلتے چلتے پوچھنے لگی۔ایڈم نے ایک جلی بھنی نظر اس پہ ڈالی۔

''جی۔میں نے سارا قصہ لکھ لیا ہے کہ کس طرح مرسل شاہ اور پرانے بنداہارا نے مرسل کے چچا کا تخت الٹا' اس کو مارا' اس کے بیٹوں کو محل بدر کیا اور خود تخت پہ قبضہ جما لیا۔اس سارے کام میں سابق بنداہارا کی مدد کرنے والا مرسل کا پھوپھی زاد بھائی راجہ مراد تھا۔تخت پہ قبضے کے بعد جب مرسل اپنے کزن کو محل میں لے آیا تو مراد نے سب سے پہلے سابق بنداہارا کا پتا صاف کیا اور اس کو مروا دیا۔پھر خود بنداہارا بن بیٹھا۔اب میں اس مقام پہ پہنچ چکا ہوں جہاں مجھے (کھنکھار کے بولا) مراد راجہ کی بیٹی کا تعارف لکھنا ہے۔''

''بہت خوب۔'' تالیہ نے محظوظ انداز میں ارد گرد لہلہاتے درختوں پہ نظر دوڑائی۔''تو پھر لکھنا شروع کرو۔''

''جی جی....میں تو آپ کی ہدایات کا انتظار کر رہا تھا۔''

''تو پھر لکھو کہ شہزادی تاشہ بنتِ مراد ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی تھی۔(سنہری بالوں کو جھٹکا) اتنی حسین کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے' آنکھیں خیرہ ہو جاتیں' شہر کے سارے رئیس اس پہ جان دیتے' اور.....''

اللہ کو جان دینی ہے میں نے چے تالیہ۔'' اس نے دونوں کان چھوئے۔''اتنا جھوٹ؟ یا اللہ...ایسی کوئی حسین بھی نہیں ہیں آپ۔اتنا زیور اور کامدار کپڑے کسی کو بھی پہنا دیں تو وہ خوبصورت لگے۔''

''اچھا تم بھی پہن لو....تو خوبصورت لگو گے؟''

''میں خواتین کی بات کر رہا تھا' اچھا۔اور یہ جن بالوں پہ آپ بہت فخر کرتی ہیں نا' مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ڈائی شدہ ہیں۔''

تالیہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا' پھر آگے چل دی۔گردن اٹھا کے مسکرا کے درختوں کو دیکھتی ایک دفعہ پھر سے شروع ہو گئی۔

''لکھو کہ اس نے چین میں اعلیٰ پائے کے اساتذہ کے ہاں تربیت حاصل کی تھی۔ وہ ہر طرح کے علوم وفنون سے آراستہ تھی۔''

''کون سے اساتذہ؟ کون سے علوم وفنون؟ یہ ایک مہینہ ملاکہ میں رہ کے چند باتیں کیا سیکھ لیں آپ نے' آپ تو بھول ہی گئیں کہ ساری عمر آپ ملائیشیاء کی گلیوں میں بٹوے چراتی اور جیبیں کاٹتی رہی ہیں۔'' مگر وہ اثر لیے بغیر بولتی جا رہی تھی۔

''لکھو کہ وہ بارہ زبانیں جانتی تھی۔'' پھر لبوں پہ انگلی رکھ کے سوچا۔ ''اونہوں۔ بارہ زیادہ ہو جائیں گی۔ آٹھ کر دو۔''

''آٹھ؟ آٹھ زبانیں؟'' وہ جل بھن کے سیاہ ہوتا گھوم کے اس کے سامنے آیا۔ ''آپ مجھے ان آٹھ زبانوں کے نام بتا دیں جو شہزادی تاشہ کو آتی ہیں تو قسم خدا کی' میں آپ کو مان جاؤں گا۔''

''تو سنو......'' وہ انگلیوں پہ گنوانے لگی۔ ''ملے' اردو' چینی' انگریزی۔'' چار پہ گنتی ختم ہو گئی تو رکی۔

ایڈم نے اپنے پوروں پہ گنتے ہوئے فاتحانہ ابرو اٹھایا۔

''چار زبانیں رہتی ہیں ابھی۔''

مگر شہزادی کی اٹھی گردن میں ذرا بھی جھکاؤ نہ آیا۔ مسکرا کے بولی۔ ''ٹیکسٹ میسیجز والی رومن ملے' ٹیکسٹ میسیجز والی رومن اردو... رومن چینی اور رومن انگریزی جو ملے حروف تہجی میں لکھی جاتی ہے۔ لو.... آٹھ زبانیں پوری ہوئیں۔ اب آگے لکھو....''

مسکرا کے آگے بڑھ گئی اور وہ دانت کچکچاتا پیچھے لپکا۔

''لکھو کہ اس کی رحم دلی کے قصے سارے ملاکہ میں مشہور تھے' وہ اتنی رحم دل تھی کہ....'' اونچے گملوں میں رکھے پھولوں کے اوپر سے ہاتھ گزارتی وہ خوشگوار موڈ میں بول رہی تھی۔

''کہ نیک معصوم لوگوں کو گرفتار کروا دیتی تھی' کال کوٹھڑیوں میں بند رکھتی تھی' اور.... اور....'' وہ جلا بھنا سا کہہ رہا تھا مگر وہ رکی اور پھر سے اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ برہمی تھی۔

''ابھی بلوا لیا نا میں نے اس کنگال رائٹر ابوبکر کو اور اس نے اپنا تھیلا پہچان لیا' تو دایاں ہاتھ کٹے گا تمہارا۔ دایاں!''

''یعنی آپ ظلم وجبر سے مجھ سے جھوٹ لکھوانا چاہتی ہیں؟ مطلب کہ...وہ ساری تعریفیں جو بنگارا یا ملایو میں آپ کی لکھی گئی تھیں وہ آپ نے مورخ کو ڈرا دھمکا کے لکھوائی تھیں۔''

''اور نہیں تو کیا۔ ویسے بھی مورخ بڑے دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں' وہ کوئی سچ تھوڑا ہی ہوتے ہیں؟ خوشامدی' درباری' ٹپیکل لالچی مفاد پرست مورخ۔'' وہ اس کے الفاظ معصومیت سے لوٹا رہی تھی۔

''میں نہیں بنوں گا ایسا مورخ' اچھا۔'' اس کی رنگت گلابی پڑ گئی تھی۔ ''اور اگر آپ ظلم وجبر سے مجھ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھوا بھی لیں تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ جھوٹ جس چیز میں بھی شامل ہو جائے' اس کی برکت لے جاتا ہے۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، شریفہ کنیز بھاگتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ تالیہ رکی اور دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھنے لگی۔

''شہزادی!'' اس نے جھک کے تعظیم پیش کی اور ایک رول ہوا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ تالیہ نے کاغذ کھولا اور پڑھا۔

ہر لفظ کے ساتھ پیشانی پہ بل پڑتے گئے۔ شریفہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا تو وہ فوراً ہٹ گئی۔

یہ کیا ہے، چے تالیہ؟'' وہ اس کے چہرے کی سنگینی دیکھ کے سنجیدہ ہوا۔

''آج کے جاری ہونے والے حکم ناموں کی ایک نقل۔'' وہ فکر مند نظر آ رہی تھی۔ ''راجہ مراد نے شہر کا کوتوال (پولیس چیف)، قاضی، وزیر اوقاف اور سفیروں کو بدل دیا ہے۔ اس نے پرانے عہدیداروں کی جگہ اپنے دوست لگا دیے ہیں۔''

''تو آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ نئی حکومت آتی ہے تو چہرے تو بدل ہی جاتے ہیں۔''

وہ چند لمحے ایڈم کو دیکھتی رہی۔ ''حکومت کیا ہوتی ہے، ایڈم؟''

''حکومت.... مطلب بادشاہ، وزیر... یا ہمارے دور میں وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کے ممبرز وغیرہ۔''

''تمہارے خیال میں یہ لوگ کوئی ملک چلاتے ہیں؟''

''ہاں۔ کیونکہ یہ حکمران ہوتے ہیں۔''

''غلط.... کوئی بھی ملک صرف اس کا وزیر اعظم، بادشاہ یا ممبرز پارلیمنٹ نہیں چلاتے۔ ملک کو اس کے 'ادارے' چلاتے ہیں۔''

''ادارے؟'' ایڈم نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ جیسے عدلیہ کا ادارہ۔ پولیس کا ادارہ۔ فوج کا ادارہ۔ زکوٰۃ صدقات تقسیم کرنے کا ادارہ۔ خزانے کا ادارہ۔ سفارت کاری کا ادارہ۔ ملک اداروں سے مل کے بنتا ہے۔ اور ملک تب مضبوط ہوتا ہے جب اس کے ادارے مضبوط ہوتے ہیں۔''

''ادارے مضبوط مطلب؟'' وہ دونوں پھر سے روش پہ چلنے لگے تھے مگر ان کی گفتگو کی نوعیت بدل چکی تھی۔

''یعنی جب ان اداروں کے سربراہ قابل اور ایماندار لوگ ہوں گے تو ہی ادارہ مضبوط ہوگا۔ شہر کا قاضی ایماندار ہوگا تو بادشاہ کو بھی کٹہرے میں لے آئے گا۔ کوتوال ایماندار ہوگا، تو شہزادے کو بھی گرفتار کر لے گا۔ لیکن جو بادشاہ اور بنداہارا صرف اپنی طاقت کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، وہ مضبوط ادارے برداشت نہیں کر سکتے۔''

''یعنی وہ اداروں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ ادارے ان کے جرائم پکڑ نہ سکیں۔''

''بالکل۔ اور اداروں کو کمزور کیسے کیا جاتا ہے بھلا؟''

''آپ بتائیے... کیسے؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میرٹ ختم کر کے۔ اب بتاؤ مجھے میرٹ کیا ہوتا ہے؟''

''میرٹ یعنی.... یعنی.... مجھے معلوم ہے میرٹ کیا ہوتا ہے مگر....''

''میرٹ کا مطلب ہوتا ہے' نوکری اس کو دی جائے جس میں دو باتیں ہوں۔ وہ اس کام کا اہل ہو اور وہ ایماندار ہو۔ یہ وان فاتح سے سنا تھا میں نے۔ مگر راجہ مراد جیسے سیاستدان اداروں کے سربراہ ایسے لوگوں کو بنا دیتے ہیں جو نہ ایماندار ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کام کے اہل۔ یہ لوگ....'' اس نے کاغذ لہرایا۔ ''یہ تاجر اور سوداگر ہیں۔ ان کو عدلیہ' یا پولیس کی الف بے بھی نہیں آتی مگر ان کو صرف راجہ کی دوستی کے باعث عہدہ ملا ہے۔''

''مگر چے تالیہ.... حکمرانوں کو یہ عہدے اپنے وفادار لوگوں کو دینے پڑتے ہیں تا کہ ان کا تخت محفوظ رہے۔ اب اگر راجہ نے میرٹ کو پسِ پشت ڈال کے خود سے مخلص لوگوں کو یہ عہدے دے دیے تو اس میں اتنا غلط کیا ہے؟''

جواب میں تالیہ نے گہری سانس لی اور ہاتھ سے دور ہاتھ باندھے کھڑے خادموں اور کنیزوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ راجہ کے ذاتی ملازم ہیں۔ ان کو ملازمت پہ رکھتے وقت کیا راجہ نے صرف وفاداری دیکھی ہوگی؟ یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ ان کو کام کرنا بھی آتا ہے یا نہیں؟ باورچی خانے میں کیا راجہ کسی ایسے غلام کو جگہ دے گا جس کو چائے تک نہ بنانی آتی ہو؟''

''نہیں تو۔''

''کیا راجہ جیسے سیاستدان اپنے گھروں اور دفتروں میں اہلیت اور ایمانداری دیکھے بغیر کسی کو نوکری دیتے ہیں؟ کیا وہ اپنے ذاتی کاروبار کا اکاؤنٹنٹ کسی بے ایمان آدمی کو بنا دیتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔''

''وہ تو ملک کے اداروں کی باگ دوڑ بغیر میرٹ کے کیوں کسی کے حوالے کر دیتے ہیں؟''

''کیونکہ..'' ایڈم نے گہری سانس لی۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ''وہ ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے۔''

''اور یہ لوگ.... جو راجہ نے تعینات کیے ہیں....'' اس نے کاغذ پھر سے لہرایا۔ ''یہ نہ صرف نا اہل ہیں' بلکہ یہ تو بزنس مین ہیں۔''

''بزنس مین کو سیاسی عہدے دینے میں کیا قباحت ہے' شہزادی؟'' اس کی آواز خود بخود مودب ہو چلی تھی۔

''ایڈم بن محمد....'' وہ ایک قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مجھے آٹھ زبانیں نہیں آتیں۔ نہ ہی میں نے چین کے استادوں سے تربیت حاصل کی ہے' نہ میں نے کتب خانے کی ساری کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔ مگر مجھے ایک بات اس محل نے سکھا دی ہے کہ اپنے ملک کی باگ دوڑ ایک تاجر کے ہاتھ میں کبھی نہیں دیتے۔ کیونکہ اسے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔ فروخت کر دینا۔''

ایڈم بالکل دھک سے رہ گیا۔ وہ اب سر جھکائے کاغذ کو پھر سے پڑھ رہی تھی۔ اس کی صبیح پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔ وہ فکرمند تھی۔

وہ ملاکہ کے لوگوں کے لئے فکر مند تھی۔

"راجہ آتے ساتھ ہی ہر ادارے کو کنٹرول کر رہا ہے۔ یقیناً کچھ ایسا ہے جو وہ کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ادارے اس کے خلاف نہ کھڑے ہوں۔ ایسا کیا ہے جو راجہ چھپا کے کر رہا ہے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

ایڈم بس چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں میں نے اپنے ساتھ اس لئے رکھا ہے ایڈم کیونکہ ہمیں مل کے چابی ڈھونڈنی ہے۔ تمہیں اپنی کتاب میں میری خوشامدیں لکھنی پڑیں گی تاکہ راجہ کو یہ لگے کہ میں خوشامد سے خوش ہوتی ہوں اس لئے ایک خوشامدی کو ہر جگہ ساتھ لئے پھرتی ہوں۔ اس طرح کسی کو میرے اور تمہارے تعلق پہ شک نہیں ہوگا اور ہم ساتھ کام کر سکیں گے۔ ہمیں راجہ مراد کا راز بھی کھوجنا ہے' اور وہ چابی بھی۔ میں ابھی تک راجہ کے کمرے میں نہیں جا سکی۔ کسی دن ہمیں اس کمرے کی تلاشی بھی لینی ہوگی۔ اور....." وہ ٹھہری اور آواز دھیمی کی۔ "مجھے لگتا ہے خزانہ واقعی ہے۔ کوئی خزانہ جو ہمارا منتظر ہے... اور اسے صرف میں اور تم نکالیں گے۔ اس لئے تم.... تم لکھو یہ سارے جھوٹ میرے بارے میں۔ میں جانتی ہوں میں اتنی اچھی نہیں ہوں مگر ہمیں اپنی جانیں بچانے کے لئے یہ کرنا ہوگا اور جو ہمیں کرنا آتا ہے' وہ......"

"وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔" ایڈم نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نظریں تالیہ کی چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ اب دور کھڑی کنیز کی طرف گھوم چکی تھی۔

"شریفہ!" ایک آواز پہ کنیز دوڑی چلی آئی۔

"ابوالخیر کو پیغام بھیجو کہ اس کو وزیرِ خزانہ بنا دیا گیا ہے۔"

"مگر' شہزادی' اس کو تو یہ خبر کب کی مل چکی ہوگی۔"

"وہ بھی آگے سے یہی کہے گا۔ پھر جواب میں کہنا کہ اگر خبر مل گئی تھی تو شہزادی کے شکریے کے لئے وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں؟" بگڑے ہوئے موڈ میں بولی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر وہیں گھاس پہ بیٹھا اور اپنا دستہ کھول لیا۔ قلم کی نوک سیاہی میں ڈبو کے کاغذ پہ جمائی اور پھر دوبارہ سے تالیہ کو دیکھا جو اب برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔ بال کندھوں پہ جھول رہے تھے اور رنگت دھوپ میں سنہری لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی۔ گہری سوچ۔

اس کے سراپے کو نظروں میں رکھے' ایڈم کاغذ پہ الفاظ اتارنے لگا۔

"نام تھا جس کا تاشہ بنت مراد...

تھی وہ ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی۔

نہ تھا اس کا حسن صرف ظاہری....

بلکہ روشن تھا اس کا باطن بھی۔

نیت تھی اپنے ملک کے لئے نیک' اور دل تھا غریب پرور۔

سمجھتی تھی وہ سیاست کی دانائی کو خوب خوب

بلکہ اگر تم پوچھو مورخ سے تو شاید وہ کہے'

کہ ملایا کے سارے جزیروں میں سب سے زیادہ

بس وہی ہر بات کو سمجھتی تھی۔"

وہ دل سے لکھ رہا تھا۔ اپنے اندر کے لکھاری کو دریافت کر رہا تھا۔ اور تالیہ کے اندر کی شہزادی کو صدیوں کے لیے "ملایا کے پھول" کے صفحات میں قید کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس شام عصر کے بعد سے ہی آسمان سیاہ بادلوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ قدیم ملاکہ پہ سایہ سا ہو گیا اور پھر موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ گلیاں اور چوبارے لمحوں میں جل تھل ہو گئے۔ لوگ گھوڑے اور جانور جلدی جلدی اندر باندھنے لگے۔ سڑکوں سے خوانچہ فروش اپنا سامان ڈھانپ کے گھروں میں گھس گئے۔ بارش نے سارا شہر سنسان کر دیا۔

اپنی کوٹھڑی میں نیچے بیٹھا فاتح کپڑے تہہ کر رہا تھا۔ ایک چمڑے کا سفری تھیلا اسے مہیا کیا گیا تھا جس میں اس نے اپنے استعمال کی چیزیں بھرنی تھیں۔ کل نیلامی کے بعد اسے اس تھیلے کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو جانا تھا۔ ابوالخیر کے تربیت یافتہ غلام اعلیٰ آداب و اخلاق سے آراستہ ہوتے تھے' ان کا سامان' ان کا لباس ہر شے ان کے اعلیٰ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہوتی تھی' اسی لئے وہ مہنگے داموں فروخت کیے جاتے تھے' مگر صرف امراء اور سلاطین کو۔

"کیا تم واقعی ہمیں یاد رکھو گے؟"

آواز پہ وہ چونکا۔ کپڑے کی تہہ لگاتے ہاتھ تھمے۔

چوکھٹ پہ کم سن غلام لڑکا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور امید دونوں تھے۔

فاتح نے گہری سانس لے کر کپڑا پرے رکھا اور انگلی سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے آگے آیا اور اس کے بستر کے کنارے بیٹھا۔ (بستر فرشی تھا۔ گویا وہ دونوں زمین پہ ہی آمنے سامنے بیٹھے تھے)

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں گا؟"

لڑکے نے اداس آنکھیں اٹھائیں۔ "کیونکہ ہم جیسوں کو کوئی یاد نہیں رکھتا۔"

''مفید!'' اس نے نرمی سے لڑکے کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ ہم انسانوں کو کبھی کسی دوسرے کا غلام نہیں بننا چاہیے۔ نہ محبت میں' نہ مجبوری میں۔ تمہیں اپنے حق کے لئے لڑنا ہوگا۔ اور جب تم جیسے لوگ اپنے لیے لڑو گے تو دیکھنا.... کئی صدیوں بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا جب انسانوں کو غلام بنانے کا یہ رواج ختم ہو جائے گا۔''

لڑکے کی آنکھوں میں بے یقینی بھر آئی۔ ''واقعی؟ یہ صدیوں پرانا رواج ختم بھی ہو جائے گا؟''

''ہاں' مفید بن مہورا۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ ظلم کا رواج ختم ہو جائے گا.... تب لوگ صرف چند گھنٹے دوسروں کے ہاں ملازمت کریں گے' مگر ان کو بھاری تنخواہ ملے گی۔ مراعات' گھر' کھانا ملے گا۔ ان کے حقوق ہوں گے۔ وہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کے جا سکیں گے۔ وہ آزاد ہوں گے۔'' مفید جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

''یہ زمانہ کب آئے گا؟''

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ ''باقی دنیا کے لیے یہ کئی سو سال بعد آئے شاید' مگر ملاکہ کے لوگوں کے لیے مرسل شاہ کے ہی عہد میں ایک وقت آئے گا جب کوئی تم سب غلاموں کو ان ظالم لوگوں سے نجات دلائے گا۔''

''تم مستقبل کے بارے میں اتنا کیسے جانتے ہو؟''

اس سوال پہ وہ زخمی سا مسکرایا۔

''یوں سمجھو میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک ایسے زمانے کا جب انسان آزاد ہوگا۔ میں تمہارے لئے وہ زمانہ تو نہیں لا سکتا لیکن تم سب کو ایک ایسے انسان سے ملوانے کا ذریعہ ضرور بننا چاہوں گا جو ملاکہ کی تاریخ بدلے گا۔ اس کے بعد اس ملک میں کم از کم چند سالوں تک کوئی کسی کو جبر سے اپنا غلام نہیں بنا سکے گا۔ بس تم... تم بھروسہ کرو۔''

''تم پہ؟''

''نہیں۔ اپنے آپ پہ۔'' اس کے کندھے کو نرمی سے تھپکا اور واپس کپڑے تہہ کرنے لگا۔ لڑکا ناسمجھی اور اداسی سے اسے دیکھے گیا۔ آزادی کا خواب..... بہت عجیب مگر بہت خوشگوار تھا۔ باہر برستی بارش کی طرح جس میں اگر مٹی کی سوندھی مہک تھی تو خوفناک آوازوں کا ڈراوا بھی شامل تھا۔

☆......☆......☆

بارش ہنوز موسلا دھار برس رہی تھی۔ راجہ مراد کا محل اندھیرے میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ تیز ہوا درزوں سے اندر داخل ہوتی اور راہداریوں میں روشن مشعلوں کے شعلے پھڑ پھڑانے لگتے۔ ایک راہداری سے تالیہ تیز قدم اٹھاتی گزر رہی تھی۔ تاج سر پہ تھا' اور گردن بے نیازی سے اکڑی تھی۔ کنیزیں دائیں بائیں دو قدم پیچھے تھیں۔

دفعتاً وہ رکی۔کنیزیں بھی فوراً رک گئیں۔

ایک طرف تنگ سے زینے نیچے کو جا رہے تھے۔وہاں پہریدار کھڑے تھے۔تالیہ نے ابرو اکٹھے کیے۔

''نیچے کیا ہے؟''

''یہ راجہ مراد کا خزانے کا کمرہ ہے۔محل چلانے اور دیگر اخراجات کے لئے تمام مال یہیں رکھا جاتا ہے اور قیمتی زیورات وغیرہ بھی۔اس جگہ بھاری نفری تعینات رہتی ہے۔''

''کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟''

''راجہ کے علاوہ کوئی اندر نہیں جا سکتا۔وہ ہر روز اس جگہ کا معائنہ کرتے ہیں۔''

''ہوں۔حیرت ہے میں نے یہ پہلے نہیں دیکھا۔''اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔کنیز شریفہ نے قدرے اچنبھے سے قدم اس کے پیچھے بڑھائے۔(ہر روز تو شہزادی یہاں سے گزرتی ہے۔بلکہ اپنی آمد کے دوسرے روز تو اس نے اس جگہ کا پوچھا بھی تھا' تو اب؟) خیر۔اس نے بھی سر جھٹک دیا۔(شہزادی کی ادائیں!)

اپنے کمرے میں آ کے اس نے شریفہ کو حکم دیا۔''مورخ کو بلا بھیجو۔''وہ جیسے بیزار اور تھکی تھکی ہو۔

مورخ کو اس کے کمرے میں بھیج کے شریفہ اور دوسری کنیزیں چلی گئیں۔اب باہر صرف دربان کھڑے تھے۔

ایڈم اندر آیا تو اس شاہی پر تعیش کمرے کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔منہ کھل گیا اور گردن چاروں طرف گھوم گھوم گئی۔

اونچی چھت' ریشمی لحاف سے مزین بستر' نرم قالین....کرسٹل اور چینی کے بنے آرائشی برتن۔لٹکتے ہوئے جھلملاتے فانوس جن پہ دیے سجے تھے۔

تالیہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔پھر ٹھٹک گیا۔وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔شہزادی سے مختلف....سیاہ پاجامے اور کرتے میں ملبوس' بال سیاہ ٹوپی میں ڈھک رکھے تھے۔ایڈم نے منہ بنایا۔

''اتنے عیش سے رہنے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں' ایڈم۔فوج کی نوکری سے نکال دیے جانے والوں کا حق بنتا ہے کہ وہ حسد کریں۔''

ایڈم کو اتنے ترش جواب کی امید نہیں تھی۔اس کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔

''اصلی فوجی ہونا نقلی شہزادی ہونے سے بہتر ہوتا ہے' چے تالیہ۔''

''تم بھول رہے ہو کہ راجہ مراد شاہی خاندان سے ہیں' اور میں بائی بلڈ شہزادی ہوں۔''گردن فخر اور استہزاء سے کڑائی۔

''جی نہیں۔آپ بھول رہی ہیں کہ آپ ایک زمانے میں کے ایل کی گلیوں میں لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔''

''اور تم بھول رہے ہو کہ ابھی بلوالیا نا میں نے اس کنگال رائٹر کو تو تمہارا دایاں ہاتھ کٹے گا۔ دایاں!''

اس پہ ایڈم نے زور سے ہونہہ کیا۔ اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''کہیے۔ کیوں بلوایا ہے؟ اپنی مزید جھوٹی تعریفیں لکھوانے کے لئے؟ یاد رکھیے گا' اللہ کو جان دینی ہے میں نے' اس لئے.....''

''آج بارش ہے' اور محل کے باہر تعینات پہریدار پناہ کے لئے اندر گھس گئے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم رک کے سننے لگا۔

''نیچے ایک کمرہ ہے جہاں راجہ اپنا خزانہ رکھتا ہے۔ اس کمرے کی تلاشی کا آج سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں کافی دنوں سے اس کی تاک میں تھی۔''

''اوہ۔ تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

''تم اس رسی کو پکڑو گے۔ میں کھڑکی سے نیچے جاؤں گی اور اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر جاؤں گی۔ کمرہ خالی ہوتا ہے۔ اور محل کے سبزہ زار پہ اس وقت پہریدار بھی نہیں ہیں اس لئے کوئی مجھے نہیں دیکھے گا۔''

''کیا راجہ نے وہ چابی یا ایسی کوئی چابی وہاں چھپائی ہوگی؟'' اس کے اندر امید جاگی۔

''بالکل یہ ہوسکتا ہے۔ اور....'' وہ رکی۔ تذبذب سے ایڈم کے تاثرات دیکھے۔ ''اور کیا معلوم اس کمرے میں راجہ کے خزانے پہ ہمارا نصیب لکھا ہو۔''

ایڈم کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلیں۔ ''کیا مطلب؟''

''ایڈم....'' وہ دبے دبے جوش سے کہتی قریب آئی۔ ''وہ خزانہ جس کی مجھے تلاش تھی' میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور تم اس کو تلاش کرنے جارہے ہیں۔ یہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یہ واقعہ ابھی 'ہونا' ہے۔''

''اف بے چ تالیہ۔ اللہ کی پناہ۔ آپ اس خزانے کا خیال دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔'' ایڈم نے بے اختیار سر پہ ہاتھ رکھا۔ ''اس خزانے کے لالچ نے ہمیں وقت کا قیدی بنا ڈالا ہے۔ اس لئے اس کو بھول جائیں اور صرف چابی تلاش کریں۔''

''اگر ایسا خزانہ ہوا تو کیا تم....''

''بھول جائیں اس خزانے کو۔ رسی لٹکائیں اور نیچے اتریں۔'' وہ جھنجھلا کے بولا تو وہ چپ ہوگئی اور زبردستی مسکرائی۔ ''شیور۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔'' اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد وہ اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر رہی تھی۔ بلی کی طرح دیوار پہ سیدھی اترتی اس نے فرش پہ بنا آواز کے جست لگائی۔ پھر سانس روک کے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ ایک مشعل روشن تھی۔ قطار میں چند صندوق رکھے تھے۔ اور ان کے اوپر چند رجسٹر شیلف میں پڑے

تھے۔ ہر صندوق کے اوپر حساب کتاب کی تختی لکھی تھی۔ وہ تیزی سے ان تک آئی۔ ان کو تالے لگے تھے۔ تالیہ نے ایک ننھی سلاخ جیب سے نکالی اور باری باری ان کے تالے کھولنے لگی۔

کل چھ صندوق تھے۔ کسی میں چاندی کے سکے تھے' کوئی طلائی سکوں سے آدھا بھرا تھا۔ کسی میں چند زیور تھے۔ ہر صندوق کے اندر بھی حساب کتاب کے پرچے پڑے تھے۔ راجہ ایک ایک پائی کا حساب رکھتا تھا' یعنی وہ ایک شے بھی نہیں چرا سکتی تھی۔ ویسے بھی ان صندوقوں نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ محل کے اخراجات کے لئے تھے۔ اور ان میں مال کچھ اتنا زیادہ نہ تھا کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں۔ آخری صندوق تو ویسے بھی خالی تھا۔

وہ واپس رسی کی طرف آئی۔ پھر رکی۔

آخری صندوق خالی تھا؟

وہ الٹے قدموں واپس آئی اور اس صندوق کو دوبارہ دیکھا۔

وہ باقی سب سے چھوٹا تھا۔ لکڑی کا صندوق جس کے اوپر نشان تھے۔ جیسے ضربیں لگی ہوں۔ تالیہ نے اس پہ ہاتھ پھیرا۔ لکڑی نم تھی۔ اس نے جھک کے دیا سلائی جلائی اور صندوق کے کونوں کو دیکھا۔ پھر ناخن سے اسے کھرچا۔ اندر ریت پھنسی تھی۔ اس نے ڈھکن کھولا۔ وہ خالی تھا۔ البتہ اس کے کونے میں ایک جگہ ایک سکہ پھنسا تھا۔ سونے سکہ جو پھنس جانے کے باعث نظر نہیں آیا تھا۔

تالیہ نے اسے زور سے کھینچا تو وہ نکل آیا۔ صندوق کے اندر بھی جگہ جگہ ریت کے ذرے پڑے تھے۔

وہ واپس اوپر آئی تو سانس چڑھا ہوا تھا۔ ایڈم تب تک گھوم پھر کے اس کا کمرہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ شیلف پہ رکھی کتابوں کا معائنہ کر رہا تھا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ آپ نے ان میں سے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی۔''

''ایڈم۔'' وہ پھولے سانس کے ساتھ قریب آئی۔ اور ٹوپی کھینچ اتاری۔ سنہرے بال کندھوں پہ گر گئے۔ ''اندر کچھ خاص نہیں ہے سوائے ایک خالی صندوق کے۔''

''خالی صندوق؟''

''اس میں ایک سکہ پھنسا ہوا تھا۔'' اس نے مٹھی کھول کے دکھایا۔ سونے کا چھوٹا مگر موٹا سا سکہ۔

ایڈم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''پھر؟''

''باقی سارے صندوق بھاری تھے۔ سوکھے تھے۔ ان میں حساب کتاب کے کاغذ تھے۔ وہ وہیں پڑے رہتے ہیں۔ ان کو کوئی وہاں سے ہلاتا نہیں ہے۔ مگر یہ چھوٹا صندوق ہلکا تھا۔ یہ بار بار اٹھایا اور واپس لے جایا جاتا ہے۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ ''یہ ابھی نم تھا'

یعنی شام کو ہی کوئی اسے بارش میں واپس لایا ہے۔ مگر اتنے خفیہ طریقے سے کہ معلوم ہی نہیں ہوا مجھے۔"

"شام کو بارش کے دوران تو چاول اور دوسرا غلہ محل میں آیا ہے صرف۔ میں باہر ہی بیٹھا تھا۔"

"اس صندوق کو اس سامان میں چھپا کے لایا گیا ہے۔"

"مگر وہ خالی کیوں تھا؟"

"اس پہ رسیاں باندھنے کے نشان تھے۔ اور اس میں ریت پھنسی تھی۔ جیسے اس کو ساحل کی ریت پر گھسیٹ کے کہیں لے جایا گیا ہو۔ وہ بار بار سفر کرتا ہے۔ اور وہ یہاں خالی واپس آتا ہے۔"

"مگر خالی کیوں؟" تالیہ چپ ہوگئی پھر سکے کو دیکھا۔

"شاید جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو خالی نہیں ہوتا۔ اس میں سکے بھرے ہوتے ہیں۔ اور اس کو کسی ریتلی جگہ پہ لے جا کر خالی کیا جاتا ہے اور پھر واپس لایا جاتا ہے۔ یہ کام جلدی جلدی کیا جاتا ہے' تبھی ایک پھنسا ہوا سکہ ان کی نظروں سے اوجھل گیا۔"

چند لمحے لگے ایڈم کو ساری کتھا سمجھنے میں۔

"یعنی راجہ اس صندوق کے ذریعے سونے کے سکے کہیں منتقل کر رہا ہے۔"

تالیہ کی آنکھیں چمکیں۔ "ہاں۔ راجہ مراد کا اصل خزانہ کہیں اور ہے۔ یہ کمرہ تو محض گھر کے اخراجات چلانے کے لئے ہے۔ راجہ اپنی دولت کو کہیں اور جمع کرتا جا رہا ہے۔"

"مگر وہ چابی..... ہمیں تو اس سے مطلب ہے نا۔"

"راجہ کی محفوظ جگہ اگر کہیں اور ہے تو وہ چابی بھی کہیں اور ہوگی۔ اگر ہم اس صندوق کی جگہ کا پتہ لگا لیں تو چابی بھی مل جائے گی۔"

"مگر کیسے؟"

"میں کچھ سوچتی ہوں۔" وہ اب کھڑکی کے ساتھ گری رسی لپیٹنے لگی۔ دماغ الجھ سا گیا تھا۔ مورخ نے ایک تنقیدی نظر اس کمرے پہ ڈالی اور منہ میں بڑبڑایا۔

"الگ سے حساب ہوگا' یاد رکھیے گا۔" جلے دل سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جواباً منہ میں بڑبڑائی۔ "بھگوڑا فوجی۔"

"ہونہہ۔ نقلی شہزادی۔" اس نے سن لیا تھا' اس لئے کہے بغیر باہر نہیں نکلا۔

☆......☆......☆

'ملاکہ سلطنت محل' کے دربار کی کھڑکیوں سے اس صبح روشنی چھن چھن کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ تخت بچھا تھا۔ دربان مستعد کھڑے تھے۔ درباری وزراء اور امراء قطار میں لگی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں خالی تخت سے دربار کے دروازے پہ بار بار اٹھتی

تھیں۔سلطان مرسل کا انتظار کیا جا رہا تھا جو آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔وہ اتنی صبح خیزی کا عادی نہ تھا اور اس کے انتظار میں وزراء اور جرنیلوں کو پہروں بیٹھنا پڑتا تھا۔

دربار سے چند کوس دور محل کے دوسرے حصے میں آؤ تو اپنی خواب گاہ میں مرسل شاہ بستر پہ نیم دراز تھا۔آنکھیں موندے وہ اونگھتا ہوا دکھائی دیتا تھا جب دربان کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔وہ ملکہ کی آمد کا اعلان کر رہا تھا۔

مرسل نے قدرے بےزاری' قدرے مجبوری سے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کے بیٹھا۔

ملکہ یان سوفو کا مدار لباس میں ملبوس' تاج سر پہ سجائے' کروفر سے اندر داخل ہوئی اور اس کے سامنے آ رکی۔اٹھ کے بیٹھے جمائی روکتے مرسل شاہ نے محض پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے ملکہ؟ اتنی صبح صبح؟''

''چین سے قاصد آیا ہے اور بری خبر لایا ہے۔'' وہ سخت خفگی کے عالم میں بتانے لگی۔''میرے والد' شاہِ چین' جب سے آپ سے ملاقات کر کے گئے ہیں' بیمار پڑے ہیں۔ان کے جسم پہ پھوڑے نکل آئے ہیں۔جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

مرسل نے ابرو تعجب سے بھینچے۔''یہ کیسے ہوا؟''

یان سوفو نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔''شاہی طبیب کا خیال ہے کہ ان کو آپ کی نظر لگی ہے۔''

''میری نظر؟'' مرسل کا منہ کھل گیا۔

''جی آقا' آپ کی نظر۔میرے والد کی جان بھی جا سکتی ہے۔ہمیں اس کا جلد از جلد تریاق کرنا ہوگا۔''

مرسل فوراً کھڑا ہو گیا۔وہ پریشان نظر آتا تھا۔''مم.... میں کیا کروں پھر؟''

''طبیب نے ٹوٹکا لکھ بھیجا ہے۔آپ کو اس کے مطابق غسل کرنا ہوگا اور غسل کا پانی بادشاہ سلامت کو بھیجا جائے گا' جو ان کے پھوڑوں کے لئے تریاق کا کام دے گا۔جو بھی ہو آقا' آپ کو میرے والد کے لئے ہر کوشش کرنا ہوگی۔''

تن فن کرتی جیسے آئی تھی ویسے ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مرسل ہکا بکا اسے جاتے دیکھتا رہا۔منہ ابھی تک کھلا تھا۔

دربار میں مرسل شاہ کا انتظار ہوتا رہا' مگر وہ نہیں آیا۔

باہر دالان کے پار ایک تھکے ماندے گھوڑے کے ساتھ دھول میں اٹا سوار کھڑا تھا۔باہر آتی یان سوفو اسے دیکھ کے رکی' اپنی کنیزوں کو تھم جانے کا اشارہ کیا' اور لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے سوار کی طرف آئی۔

''ملکہ!'' اس نے جھک کے تعظیم پیش کی۔

''تم واپس آ گئے۔'' وہ بے چینی سے دبی دبی آواز میں بولی۔دالان کے فوارے کے ساتھ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے

اور کنیزوں کا گروہ دور خاموش سے کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا۔

''جی ملکہ۔''

''شہزادی تاشہ کے بارے میں معلوم ہوا کچھ؟''اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''ان کے شہر کے کوتوال سے مل کے آ رہا ہوں۔اس نے تاشہ شہزادی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے وقت مانگا تھا۔جب مقررہ وقت پہ اس کے پاس گیا تو اس نے یہ مراسلہ تھمایا۔یہ سر بہ مہر ہے اور مجھے اس کو کھولنے کی اجازت نہیں۔کوتوال نے خاص رازداری سے کہا تھا کہ اسے آپ ہی کھولیں گی۔''

اس نے ریشمی رومال میں لپٹا ایک رول اسے تھمایا جسے ملکہ نے فوراً لباس میں چھپا لیا۔

اپنی خواب گاہ میں آ کے اس نے دروازے بند کیے' جلدی سے بستر کے کنارے بیٹھی اور ریشمی کپڑے کی مہر پھاڑی۔ پھر اندر سے رول شدہ کاغذ نکالا۔اس پہ الگ مہر تھی۔(موم پگھلا کے دونوں سرے بند کر رکھے تھے۔) اس نے احتیاط سے اسے کاٹا اور دھڑکتے دل سے کاغذ کھول کے سامنے کیا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ بالکل شل رہ گئی۔

کاغذ خالی تھا۔

بالکل کورا سفید۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کا ملاقاتی کمرہ آج صبح خوب روشن تھا۔کل کی بارش کے بعد سیاہ بادل چھٹ گئے تھے اور سنہرا چمکتا ہوا دن طلوع ہوا تھا۔اونچی کھڑکی کے ساتھ ابوالخیر کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔اس کے لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔دربان نے شہزادی کی آمد کا اعلان کیا تو وہ چہرے پہ مسکراہٹ لئے پلٹا۔

پٹ کھلے اور تالیہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔سر پہ پہنے تاج سے لٹکتا کپڑا کندھوں پہ پھیلا تھا۔نیچے گھیر دار پاؤں کو چھوتا کامدار ریشمی لباس تھا۔تاشہ کی گردن سیدھی اور چہرہ سنجیدہ تھا۔

''شہزادی۔''اس نے جھک کے سلام کیا۔شہزادی کے چہرے پہ ذرہ برابر بھی مسکراہٹ نہیں آئی۔

''لگتا ہے ابوالخیر صاحب کو خبریں دیر سے ملتی ہیں۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں شہزادی' طبیعت ناساز تھی' اس لئے پہلے حاضر نہیں ہو سکا۔'' پھر دوبارہ سے جھکا اور سر واپس سیدھا کیا۔گہری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔''میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے آقا سے میری سفارش کی۔''

''میں نے وہ فیصلہ کیا جو آقا اور ملاکہ سلطنت دونوں کے حق میں بہتر تھا۔'' وہ اب کے ہلکا سا مسکرائی۔

''کچھ تحائف حرم میں بھجوائے ہیں میں نے' امید ہے آپ کو اچھے لگیں گے۔''

''ہاں' میں نے ابھی دیکھے نہیں۔'' بے نیازی سے کندھے پہ آئے بال پیچھے کرتے ہوئے بولی۔''اب تو سارے تحائف ہی ایک سے لگتے ہیں' ابوالخیر۔ وہی زیور' وہی ریشم' وہی چینی کے برتن۔''

ابوالخیر نے اپنی شیر جیسے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔''جی' یہ بات تو درست ہے آپ کی۔ (اسے جیسے تذبذب ہوا) اگر شہزادی کے ذہن میں میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو مجھے آگاہ ضرور کیجئے گا۔''

''خدمت تو میں نے سنا ہے آپ بہت اچھی کرتے ہیں۔ میرے بابا کی کرتے رہتے ہیں۔ مگر مجھے اپنے لئے کچھ درکار نہیں۔ میرے پاس...'' دونوں بازو پھیلا کے ادھر ادھر دیکھا۔''اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔'' فخر سے گردن کڑائے مسکرائی۔

''الحمداللہ شہزادی!'' اس نے ادب سے سر کو خم دیا البتہ ابھی تک سوچتی نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''مگر ملاکہ کے لوگوں کے پاس سب کچھ نہیں ہے۔ تو کیوں نا میں اپنی رعایا کے لئے کچھ ایسا بنا جاؤں جو میرے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کے کام آتا رہے۔'' وہ بات کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف چلی آئی اور باہر جھانکا۔ محل کے باغات یہاں سے صاف دکھائی دیتے تھے۔

''اتنی کم عمری میں دنیا سے جانے کی باتیں' شہزادی؟''

تالیہ مڑی' یوں کہ اب چہرہ ابوالخیر کی طرف اور پشت کھڑکی کی طرف تھی۔''اس دنیا سے جانے کی واحد صورت صرف موت نہیں ہے' ابوالخیر۔ سفر کے طریقے اور بھی ہوتے ہیں مگر وہ آپ کی سمجھ سے ہٹ کے ہیں۔'' روشنی اس کی پشت سے آ رہی تھیں' ایسے میں شہزادی کا چہرہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ مسکرا رہی ہے یا اس پہ افسوس کر رہی ہے۔

''آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟''

''میں اپنی گمشدہ بہن تالیہ بنتِ مراد کے نام کی ایک مسجد بنوانا چاہتی ہوں' ایک عظیم الشان مسجد جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ اس کارِ خیر میں بھرپور حصہ لیں گے۔''

ابوالخیر بالآخر کھل کے مسکرایا اور سر کو پورا جھکا کے سیدھا کیا۔''میرے لئے اعزاز کی بات ہو گی' شہزادی۔ آپ بے فکر ہو جایئے۔ میں آج ہی مسجد کا نقشہ تیار کرواتا ہوں اور اس نقشے کی منظوری کے بعد خزانے سے مطلوبہ رقم نکال کے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرواتا ہوں۔''

''مگر میں مسجد میں اعلیٰ پائے کی تزئین و آرائش بھی چاہتی ہوں جو سرکاری امداد سے پوری نہ ہو سکے گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ میرے ذمے چھوڑ دیں۔ ہر کام بطریقِ احسن مکمل ہوگا۔ آپ کی خواہش جلد آپ کے سامنے مجسم صورت کھڑی ہوگی۔''وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

''کب تک؟''

''بس نیلامی ختم ہوجائے' پھر میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔''

''نیلامی؟''اس کا دل دھڑکا مگر بظاہر سادگی سے پوچھا۔''کوئی غلاموں کی نیلامی کرتے ہیں نا آپ؟''

''جی۔کل نیلامی ہے میرے ہاں۔ ہمارے پاس بہترین قسم کے غلام ہیں۔اعلیٰ تربیت اور آداب سے آراستہ۔ آپ بھی اگر تقریب کو رونق بخشیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''نہیں' شکریہ۔میں نے کیا کرنا ہے غلاموں کا۔یہاں بہت غلام ہیں پہلے سے۔''اس نے بے نیازی دکھائی۔

''کیا شہزادی تاشہ نے کوئی مسجد بنوائی تھی' چے تالیہ؟'' کچھ دیر بعد جب ایڈم اور وہ پائیں باغ کی روش پہ ٹہل رہے تھے تو ایڈم نے حیرت سے پوچھا۔''اور اگر بنوائی بھی تھی تو وہ اب ملائیشیاء میں کس جگہ واقع ہے۔میں نے تو ایسی کسی مسجد کا نہیں سنا۔ہاں ہوسکتا ہے پرتگالیوں نے ملاکہ پہ قبضے کے بعد اس مسجد کو شہید کر دیا ہو اور.....''وہ مغموم ہونے لگا تو وہ ایک دم اس کی طرف گھومی۔

''کوئی مسجد نہیں بنے گی' ایڈم۔نہ ہی ابوالخیر اور میں کوئی مسجد بنانا چاہتے ہیں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔''کیا مطلب؟ تو ابوالخیر پیسے کس چیز کے دے گا؟''

''مسجد صرف کاغذوں میں بنے گی' ہم اس کا نقشہ منظور کروا کے اس کے لئے سرکاری خزانے سے فنڈز حاصل کریں گے' اور ان کو میں خود استعمال کروں گی۔ابوالخیر جو بھی رقم مجھے آئیندہ رشوت کے طور پہ دے گا' اس پہ قانون اس کو پکڑ نہیں سکتا کیونکہ کاغذوں میں وہ رقم چندے کے طور پہ دی جارہی ہوگی۔''

''یعنی کہ مسجد....مسجد نہیں بنے گی؟''

''نہیں ایڈم۔یہ مسجد صرف ایک شیل کمپنی ہے۔آف شیور کمپنی۔''

''آف شیور کمپنی کیا ہوتی ہے۔''

''بس کاغذوں میں لکھ دو کہ یہ میری کمپنی ہے' میں اس کی مالک ہوں' اور اس کی ملکیت میں یہ یہ عمارتیں شامل ہیں اور اس کو رجسٹرڈ کروا لو۔پھر اپنا سارا مال جو رشوت یا کرپشن میں کمایا ہو اس کو اس کمپنی کی آمدنی کے طور پہ ظاہر کرو۔اور بس۔''

''یعنی کہ آپ.....آپ حکومتی خزانے سے جو پیسے لیں گی وہ 'کرپشن' کے زمرے میں آئیں گے؟ اور جو چندے کے نام پہ ابوالخیر سے رقم لیں گی' وہ رشوت ہوگی۔وہی میں کہوں' آپ اور مسجد؟ جی نہیں۔اتنا نیک کام آپ سے نہیں ہوگا۔''وہ دونوں ایک دفعہ پھر باغ کی

روش پہ ٹہلنے لگے تھے۔زمرد گھاس کے درمیان وہ دودھ جیسے سفید پتھروں سے بنی روش بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

''ہمیں وان فاتح کو خریدنا ہے کل۔''

''وان فاتح؟'' وہ بالکل ٹھہر گیا۔''کیا غلاموں کی نیلامی ہو رہی ہے؟''

''ہاں۔ابوالخیر نے بتایا ہے۔جو تحفے اس نے صبح بھیجے تھے'ان میں موجود جواہرات کو ہم مال کے طور پہ استعمال کر لیں گے۔اور سنو' اس کے بھیجے صندوقوں میں سے ایک صندوق بالکل اس جیسا ہے جو باپا کے خزانے والے کمرے میں رکھا ہے۔''

''یعنی اشرفیوں سے بھرا وہ صندوق جس کو راجہ بار بار پیسے لانے اور لے جانے کے لئے استعمال کرتا ہے' وہ اس کو ابوالخیر کی طرف سے ملتا ہے؟'' وہ کسی نکتے پہ پہنچ رہے تھے۔

''ہاں'اور اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس مال کو یہ لوگ کہاں سے حاصل کرتے ہیں اور یہ جا کہاں رہا ہے.....''

''ہم نہیں' آپ۔'' وہ انگلی اٹھا کے تنبیہہ کرتا دو قدم پیچھے ہٹا۔''اس جہنم میں لے جانے والے سیاہ کام سے مجھے نا آپ دور رکھیں۔پہلے ہی آپ کی وجہ سے بہت گناہ کر چکا ہوں میں۔''

''جیسے ایک کنگال رائٹر کی چیزیں چرا کے اس کا روپ دھارنا؟'' وہ چمک کے بولی تو ایڈم نے انتقامانہ نظروں سے اسے گھورا۔

''میں اب آپ کی اس دھمکی سے نہیں ڈرتا۔کیونکہ اگر میرا راز کھلا تو مجھے یہ عہدہ دینے والے کو بھی سزا ملے گی ہے نا۔''

''تمہیں اس عہدے پہ سلطان مرسل نے رکھا ہے۔اب ان کو کون سزا دے سکتا ہے بھلا؟'' آخر میں مسکرائی تو ایڈم نے مارے ضبط کے مٹھی بھینچ لی۔

''اس لئے اب جاؤ۔اور اپنی کتاب پہ کام کرو۔''

تیکھے انداز میں کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی اور ایڈم جلی بھنی نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

نقلی سہی' مگر شہزادی تو تھی۔آہ۔

ایڈم بن محمد کے پاس سے مڑی تو وہی مسکراہٹ چہرے پہ در آئی جو ہمیشہ اس کو ستانے کے بعد اسے چھپانی پڑتی تھی۔مسکراتے ہوئے وہ مگن سی اندر آئی تو راہداری میں راجہ مراد آتا دکھائی دیا۔فوراً رکی' چہرہ سنجیدہ بنایا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

''راجہ!''

وہ کمر پہ ہاتھ باندھے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔لمبے بال کندھوں کو چھو رہے تھے اور گردن کا سریا اول روز کی طرح تھا۔

''تم اور ابوالخیر' تالیہ کے نام کی مسجد بنوا رہے ہو؟''

تالیہ نے نظریں اٹھائیں اور ہلکا سا مسکرائی۔ ''آپ کو میرا یہ کام پسند آیا ہوگا' مجھے امید ہے۔ میں آپ کے ہی نقشِ قدم پہ چلنا چاہ رہی ہوں' راجہ۔''

مراد کے لب مدھم سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''ہوں' مجھے خوشی ہے۔''

تالیہ نے پھر سے سر جھکایا اور اس کے ساتھ سے نکل کے آگے بڑھی' مگر مراد کی آواز نے اسے روک دیا۔

''اور اپنی ماں؟ اس کے لئے کبھی کچھ تعمیر کرنے کا نہیں سوچا تم نے؟''

تالیہ بالکل ساکت رہ گئی۔ تھوک نگلا اور بظاہر مسکراتی ہوئی پلٹی۔ ''ماں کے لئے؟''

مراد اس کی طرف گھوما' ایسے کہ اس کے چہرے پہ نرمی تھی۔ ''تمہاری ماں کو مرے ہوئے چھے سال ہونے کو آئے ہیں۔ تم سات برس کی تھیں جب وہ طاعون سے مری تھی۔ کیا اس کی قبر پہ جانے کا دل نہیں چاہا تمہارا تالیہ؟''

پہلی دفعہ مراد کے چہرے پہ احساس کی رمق دکھائی دی تھی۔ جیسے دکھ کا کوئی سایہ ہو۔ جیسے ماضی کا کوئی شائبہ ہو۔

''میں ماں کا ذکر کر کے آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی' بابا۔ یہ ذکر آپ کی کمزوری سامنے لے آئے گا' اور آپ پتھر صورت زیادہ طاقتور لگتے ہیں۔ ایسے ہی رہا کریں۔'' پھر سر جھکا کے بولی۔ ''راجہ!'' اور پلٹ گئی۔

اسے اپنی ماں یاد نہیں تھی' مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟ اس کے پاس سوچنے کو اور بہت کچھ تھا۔

☆......☆......☆

سوموار کی شام ابوالخیر کی حویلی کے سامنے کھلے میدان میں میلا لگا تھا۔ رنگ برنگی جھنڈیوں سے جا بجا سجاوٹ کی گئی تھی۔ ایک جانب اونچا چبوترہ (اسٹیج) سا بنا تھا اور سامنے قطار در قطار کرسیاں رکھی تھیں جن پہ شہر کے معززین بیٹھے تھے۔ جگہ جگہ جھلملاتے قمقموں اور مشعلوں نے رات میں روشنی کا سماں باندھ رکھا تھا۔

چبوترے کے عقب میں عارضی دیواریں لگی تھیں۔ جہاں سے ایک آدمی باری باری غلاموں کو باہر لاتا اور چبوترے پہ دھکیل دیتا۔ غلام کسی فیشن ماڈل کی طرح لمبے چبوترے پہ آگے چلتا جاتا اور سرے پہ جا کے رک جاتا۔ اس کے ہاتھوں سے پیروں تک لمبی بیڑیاں بندھی ہوتیں۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے حاضرین کو دیکھتا۔

کرسیوں پہ بیٹھے امراء اور رئیس اپنے اپنے کارڈ بلند کرتے اور اس کی بولی لگاتے جاتے۔ جہاں بولی رکتی' وہاں فروخت کا اعلان کر دیا جاتا۔ اعلان کرنے والا ابوالخیر کا قریبی غلام محمود مرنی تھا۔ وہ ہر اعلان سے پہلے اول قطار میں ٹھاٹھ سے بیٹھے ابوالخیر کو ضرور دیکھتا تھا۔ جواب میں ابوالخیر مسکرا کے سر کو جنبش دیتا تو وہ اعلان کر دیتا۔

نیلامی کی تقریب ابھی جاری تھی۔ آغاز میں معمولی غلام اور لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ ایسے میں چبوترے کے پیچھے جاؤ تو

وہاں لمبی قطاروں میں پنجرے رکھے تھے جن میں غلام قید تھے۔

آخری پنجروں میں سے ایک میں فاتح کھڑا تھا۔ اس نے پنجرے کی سلاخوں سے کمر ٹکا رکھی تھی اور سینے پہ بازو لپیٹے کچھ سوچ رہا تھا' جب پیچھے کوئی کھنکھارا۔ وہ چونک کے پلٹا۔

اس کے پنجرے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔ چغوں میں ملبوس' سر پہ ٹوپیاں گرائے۔ نیم اندھیرے کے باوجود وہ ان کے چہرے دیکھ سکتا تھا۔ ایڈم اور تالیہ۔

فاتح نے گہری سانس لی اور احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ قریبی پنجروں کے پاس بھی لوگ منڈلا رہے تھے' وہاں رش سا لگا تھا۔ پہریدار روک ٹوک نہیں کر رہے تھے۔ بولی لگانے سے قبل لوگ غلاموں کو جانچ لیں' اچھا تھا۔

''ہم آپ کو خریدنے آئے ہیں' تو انکو۔'' سیاہ ہڈ میں اس کا چہرہ پرامید سا دمک رہا تھا۔ سنہری لٹیں ٹوپی سے نکل رہی تھیں جن کو وہ بار بار اندر اڑستی تھی۔

''مجھے نہیں' میری آزادی کو خریدنے!'' وہ سلاخوں کو پکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے جتا کے بولا تھا۔

وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''ظاہر ہے' آپ کو کون خرید سکتا ہے۔''

''اتنی رقم ہے تمہارے پاس؟'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''جی سر۔'' ایڈم جھٹ بولا۔ ''سب سے اونچی بولی ہم لگائیں گے۔''

''اور اتنی رقم آئی کہاں سے؟'' سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھا۔

''میرے بابا مجھے کافی سارا جیب خرچ دیتے ہیں۔ میں نے بہت کچھ جمع کر لیا تھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''ہوں.... اور ابوالخیر تمہیں پہچانے گا تو نہیں؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''کیسے پہچانے گا؟'' اس نے پھر شانے اچکائے۔ فاتح نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ پوری طرح سے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔

''ویسے بھی بولی ایڈم لگائے گا۔ میں خاموش رہوں گی۔'' وہ اب اس کو طریقہ کار بتا رہی تھی مگر فاتح کی نظریں اس کے پیروں تک جو جھکیں تو اٹھی نہیں۔ تالیہ رک گئی۔ سر جھکا کے پیر دیکھے۔ ان میں پیلے رنگ کے جوتے تھے جن پہ موتی لگے تھے۔

''یہ جوتے تم نے کہاں سے لئے؟'' فاتح نے نظریں اٹھائیں تو ان میں کچھ عجیب سا تھا۔

''یہ؟'' اس نے بے پرواہی سے سر جھٹکا۔ ''شہزادیوں کے پاس ان چیزوں کی کمی نہیں ہوتی' تو انکو۔''

''یہ ہاتھ سے بنے ہیں' تالیہ۔ اور یہ ابوالخیر کا ملازم محمود مرنی بناتا ہے۔ صرف خاص تحفوں کے لئے۔ یہ اس نے میرے سامنے ایک صندوق میں رکھے تھے جس میں بہت سے دوسرے تحفے بھی تھے۔ تو کیا وہ تحفے ابوالخیر نے تمہیں بھیجے تھے۔'' اس کا انداز ایک دم

پھنکارتا ہوا ہو گیا۔ ایڈم نے بے اختیار تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ پل بھر کو وہ پھیکی پڑی۔ مگر ابھی بھی جیسے وہ اچنبھے میں تھی۔

”شاید۔ مگر تحفے تو آتے رہتے ہیں اور....“

”سن باؤ کی جگہ ابوالخیر کو وزیر بنانے کے بدلے میں اس نے رشوت دی ہے نا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا برہمی سے پوچھ رہا تھا۔

”مگر آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟“

”کیونکہ ابوالخیر صرف تحفے نہیں بھیجتا‘ سونے چاندی کے زیورات بھی بھیجتا ہے۔ اور ابھی تم نے مجھے کہا کہ نیلامی کے لئے رقم تمہارے جیب خرچ سے آئی ہے‘ مگر مجھے لگ رہا ہے وہ بھی رشوت کے طور پہ ابوالخیر کی دی گئی ہو گی۔“

وہ لمحے بھر کو خاموش ہو گئی۔ ”اگر ایسا ہے بھی تو ہم اسے اسی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ جو ہمیں معلوم ہے۔ وہ ہماری جان بچائے گا۔“

”اور تم نے کہا تھا تم اب جھوٹ نہیں بولو گی۔“ وہ افسوس سے نفی میں سر ہلاتا سلاخیں چھوڑ کے پیچھے ہٹا۔ ”تم نے اتنی آسانی سے مجھ سے جھوٹ بول دیا۔“

وہ بار بار لب کھولتی‘ پھر بند کر دیتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ”میرے پاس تفصیل بتانے کا وقت نہیں تھا‘ اور....“

”اور تم نے جھوٹ بول دیا؟ اس طرح نہیں ہوتا تالیہ.... کسی بھی رشتے اور تعلق میں‘ خواہ وہ صرف ورکنگ ریلیشن شپ ہی ہو‘ صرف سچ بولا جاتا ہے۔ تم مجھے سچ بھی بتا سکتی تھیں۔“

”آپ کو مجھ پہ غصہ ہے کس بات کا‘ ہاں؟“ اس کی آواز ہلکی سی بھرا گئی۔

”میں ابھی بات نہیں کرنا چاہتا۔“ اس نے برہمی سے کہہ کے رخ موڑ لیا۔ وہ دکھ اور غصے سے کچھ کہنے لگی تھی مگر ایڈم نے آہستہ سے پکارا۔ ”چلیں۔ ہماری باری آنے والی ہے۔“

وہ رخ موڑے کھڑا تھا۔ ایک دم وہ اتنا ناراض‘ اتنا اجنبی لگنے لگا تھا۔ جیسے اپنے گھر کی لائبریری میں لگتا تھا۔ جیسے کے ایل میں اس سے بیزار سا لگا کرتا تھا۔

وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتی پلٹ گئی۔

کچھ دیر بعد فاتح بیڑیوں میں بندھا چبوترے پہ چلتا آ رہا تھا۔ اس نے سفید کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا‘ پیشانی پہ سبز پٹی بندھی تھی اور چہرہ سپاٹ‘ بے تاثر تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتا ہوا آخری سرے تک آیا اور رک گیا۔ وہ سامنے حاضرین کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس میکانکی انداز میں دور سیاہ افق پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

محمود مرنی چبوترے کے دوسرے سرے پہ کھڑا‘ اعلان کرتے ہوئے بولا۔ ”فاتح بن رامزل..... بولی شروع ہوتی ہے پانچ سو